نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا
نئی دلی

نہرو بال پستکالیہ
بڑا پانی
نیشنل بک ٹرسٹ ، انڈیا

اگست ۱۹۷۲ ساون ۱۸۹۴

© لیلا مجمدار ۱۹۷۱

ڈائرکٹر نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا۔ اے ۵، گرین پارک
نئی دہلی ۱۶ نے دیکھا پرنٹرس پرائیوٹ لمیٹڈ
سرشتہ کرتی نگر دہلی ۱۵ سے شائع کیا

قیمت : Rs. 1.50

BARA PANI (Urdu)

چیف اسٹاکسٹ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

نئی دہلی - دہلی - بمبئی - علی گڑھ

بڑا پانی

کانو کا لال چھتوں والا اسکول پہاڑی کے دامن میں تھا۔ اس نے شور مچاتی ندی پر بنے لکڑی کے پل کو دوڑ کر پار کیا۔ اتوار اور تعطیل کے دنوں میں وہ نانا کے ساتھ اس ندی میں مچھلی کا شکار کھیلا کرتا تھا۔ پل کے نیچے ایک چپٹے پتھر پر وہ اس طرح بیٹھ جاتے کہ ان کے سر سائے میں رہتے اور پیر دھوپ میں۔ نانا کہتے کہ گرم پتھر پر بیٹھنے سے ان کی بوڑھی ہڈیوں کو بڑا آرام ملتا ہے۔

وادی سے اس کے گاؤں تک اوپر جانے کے لیے پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں، وہ ان سے جاتا تو ٹھیک دس منٹ میں گھر پہنچ جاتا تھا۔ دس سیڑھیاں چڑھا

مڑا، پانچ سیڑھیاں چڑھا، مڑا، پھر دس سیڑھیاں اور لیجیے وہ اپنی چھوٹی سی بستی میں پہنچ گیا جو پہاڑ کے کنارے بسی ہوئی تھی۔ کانو کے سونے کے کمرے کی کھڑکی سے دھن کٹی وادی کے اُس پار سروے آفس کی کھڑکیاں صاف نظر آتی تھیں۔ شہر کے بڑے دفتر میں تبادلہ ہونے سے پہلے باپو یہیں کام کرتے تھے۔

اپنے گھر کے پچھواڑے کے سرخ پھاٹک تک پہنچتے پہنچتے کانو بستی کے سبھی گھروں کے پاس سے گزرتا اور اُسے پتہ چل جاتا کہ آج کس کے گھر کیا پکا ہے۔ کبھی کبھی عورتیں کھانا پکاتے پکاتے اپنی کھڑکی میں سے اُسے آواز دے کر اس کی ماں کی خیریت اور باپو کے خط کے بارے میں پوچھتیں۔ کبھی کبھی وہ اسے مزے دار چیزیں کھانے کو دیتیں۔ مٹھائی، پکوان یا خوبانی جن کو مزے مزے سے کھاتا، اچھلتا کودتا وہ گھر پہنچ جاتا تھا مگر ماں کو یہ بات پسند نہ تھی۔ ماں کا گھر بنگال میں اجے دریا کے کنارے تھا اور وہاں کی ہر چیز مختلف تھی۔ وہاں کی زمین چپاتی کی طرح سپاٹ اور چپٹی تھی اس کی مٹی سرخ اور اس میں جگہ جگہ دراڑیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ سبز کاہی رنگ کے سال کے پیڑوں کے جنگل میں ہوا سائیں سائیں کرتی تھی۔ مارچ کے مہینے میں پلاش کا اکلوتا پیڑ سرخ پھولوں سے ڈھک جاتا تھا جس کے شعلے نما پھول میلوں دور سے نظر آتے تھے۔ لوگ اسے جنگل کا شعلہ کہتے تھے۔ کانو نے ابھی تک میدانی علاقہ نہیں دیکھا تھا۔

"ماں۔ نانا، آپ سب کہاں ہیں؟ مجھے بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔" کانو نے صحن پار کیا اور پچھلے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چلایا۔ سب کے سب باہر نکل آئے۔ اماں کھانے کے کمرے کا جھولتا دروازہ کھول کر، نانا اپنے چھوٹے کمرے

سے جو برآمدے کے آخری سرے پر تھا۔ کابل بلّی 'میاؤں' اور چھوٹے بالوں والا پہاڑی کتا 'بھوں بھوں' جو کبھی نچلا نہیں بیٹھتا تھا، اس کی طرف دوڑے۔

"آج مرغیوں نے کتنے انڈے دیے؟" نانا نے بڑے اشتیاق سے پوچھا، اماں جھنجھلا گئیں: "چاچا تم نے پھر بے کار کی باتیں چھیڑ دیں۔ بچے نے ابھی کچھ کھایا نہ پیا اور تمھیں انڈوں کی پڑ گئی۔ انڈوں کی کسے پروا ہے۔" نانا کی چمکتی آنکھوں سے ہنسی غائب ہو گئی۔ کانو نے بستہ ایک طرف پھینکا اور دوڑ کر نانا کی سوکھی گردن میں جھول گیا ایسے کہ وہ لڑکھڑا گئے۔

"مجھے ہے پروا۔" اس نے کہا، "چودہ انڈے دیے ہیں اور ایک ٹوٹ گیا۔" اماں نے ناک چڑھائی "ہوں، بیس مرغیوں سے کُل چودہ انڈے۔ ہنسی آتی ہے۔ اسکول کے جوتے، موزے اتارو اور ہاتھ دھو کر چائے پینے کے لیے آجاؤ۔ آج میں نے تمہارے لیے اپنے باغ میں اُگے آلو مٹر کی بھجیا اور پوریاں بنائی ہیں اور نانا پہاڑ پر سے تازی تازی

رس بھریاں توڑ کر لائے ہیں!"

کانو کو اپنے گھر سے بڑی محبت تھی، جس کی دیواریں سفید، نالی دار لوہے کی سرخ ڈھلوان چھت اور ہری ہری کھڑکیاں اور دروازے تھے۔ سہ پہر کے وقت وادی میں چشمہ کے کنارے بنے اسکول سے، وہ اپنے گھر کی کھڑکیوں کے شیشوں پر چمکتی سورج کی کرنیں دیکھ سکتا تھا، اُسے لگتا جیسے وہ کہہ رہی ہوں "آؤ کانو آؤ، ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

ان کا ایک چھوٹا سا خانہ باغ تھا جس میں یوبن مالی طرح طرح کی چیزیں جیسے میٹھی گاجریں، ولایتی لال مولیاں، ہری گوبھی اور مٹر وغیرہ اُگاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہاں ایک درخت آڑو کا، ایک خوبانی اور ایک ناشپاتی کا تھا۔ اور ہاں جنگلی سیب کا ایک پیڑ بھی تو تھا جس کے پھل بہت کھٹے تھے مگر جب نانا انھیں آگ پر بھون لیتے تو بڑے مزیدار ہو جاتے تھے۔ نانا سے کانو کو بہت محبت تھی، ان کی عمر اٹھتر برس کی تھی اور وہ ایسے سوکھے ہوئے تھے جیسے مرجھایا ہوا سُرخ سیب!

ماں نے بتایا تھا کہ اصل میں وہ ان کے رشتے دار نہ تھے۔ وہ دادا ابا کے دوست تھے۔ بہت دن پہلے وہ اور دادا ابا جنگل کے محکمے میں اکٹھے کام کرتے تھے۔ اب دادا ابا تو گزر چکے تھے، باپو بڑے شہر میں کام کرتے تھے اور وہ ان کے ساتھ رہتے تھے۔ باپو کو بھی نانا سے بہت محبت تھی۔ باپو نے اسے بتایا تھا کہ نانا نے انھیں بہت سی باتیں سکھائی تھیں اگرچہ انھوں نے اسکول میں تو بس چودہ سال کی عمر تک ہی پڑھا تھا۔ پہلے انھیں محکمہ جنگلات میں پیغام رساں لڑکے کی حیثیت سے ایک چھوٹی سی نوکری ملی پھر جنگل کے محافظ کی نوکری مل گئی، یہی کام دادا ابا بھی کرتے تھے۔

"نانا وہ کس کی بیوی تھی؟ اب کہاں ہے؟"

"وہ میری بیوی تھی، اب وہ سورگ کے راجا 'یوبلی' کے محل میں رہتی ہے۔ وہاں ہر کوئی خوش رہتا ہے۔ جب سے وہ چلی گئی میں یہاں رہنے لگا۔"

"بری بیوی! آپ کو چھوڑ کر چلی گئی!"

"نہیں نہیں کانو وہ بہت اچھی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں روز 'اپنے کوّے' کی، اچھی طرح دیکھ بھال کروں اور میں بائیس برس اس کی دیکھ بھال کرتا رہا مگر ایک دن وہ اُڑ گیا اور پھر کبھی واپس نہیں آیا۔ سمجھ میں نہیں آتا جب میں بیوی سے ملوں گا تو اسے کیا جواب دوں گا۔"

کانو حیران ہو گیا۔ "نانا آپ ان سے کیسے ملیں گے؟ کیا آپ کو سورگ کا رستہ معلوم ہے؟"

نانا جھنجھلا گئے۔ "یہ کیا مشکل ہے جیسے سب چھوٹے ندی نالے، بڑا پانی تک جانے کا رستہ آپ ہی آپ جان جاتے ہیں، اسی طرح میں بھی اپنا رستہ آسانی سے تلاش کر لوں گا۔

بڑا پانی دیکھا ہے نا؟ وہی دریا جو موٹر کی سڑک کے ساتھ ساتھ بہتا ہے۔ وہ سڑک جو میدانی علاقے کو جاتی ہے۔ اچھا بہت باتیں ہو لیں۔ چلو ندی میں مچھلیاں پکڑیں، کل چھٹی ہے نا؟ اس لیے تمھیں تو آج ہوم ورک بھی کرنا نہیں ہوگا۔"

مچھلی پکڑنے کی چھڑ اور کانٹا لے کر وہ چھوٹے پل کے نیچے اترے اور چکر کھاتی سڑک پر چلنے لگے۔ نانا کے گھٹنے ذرا اکڑے رہتے تھے اور سیڑھیاں چڑھنے اترنے میں انھیں تکلیف ہوتی تھی، مگر جب نانا جوان تھے تو اپنی پیٹھ پر بھاری بوجھ اٹھا کر دو دو سیڑھیاں پھلانگ کر چڑھ جاتے تھے۔

پل کے نیچے مچھلیاں پکڑنے کی ایک خاص جگہ تھی۔ بید مجنوں کے سائے میں جس کی شاخیں پانی پر جھکی ہوئی تھیں، وہ اپنے گرم پتھر پر بیٹھ گئے۔ نانا بڑی بڑی چیونٹیوں کے انڈے لائے تھے جن کی بو پر مچھلیاں دوڑ کر آتی ہیں۔ نانا ماہی گیری کے سارے گر جانتے تھے۔ انھوں نے اسی پتھر پر بیٹھ کر برسوں تک دادا ابا اور پھر باپو کے ساتھ مچھلی کا شکار کھیلا تھا۔

"دیکھو لڑکے! ننھی منی مچھلیوں کو کبھی نہ پکڑنا۔ وہ مچھلیوں کے بچے ہوتے ہیں۔ دیکھو پانی میں کیسے اچھل کود رہے ہیں۔ بس جو مچھلی پکا کر کھائی جا سکے اس کو پکڑنا چاہیے۔ باقی سب کو واپس پانی میں چھوڑ دو۔" نانا نے ایک ننھی مچھلی کے گلے سے سنبھال کر کانٹا نکالا اور اُسے پانی میں واپس ڈال دیا۔

"نانا، کیا آپ سب جانوروں سے پیار کرتے ہیں؟ مچھلیوں اور پرندوں سے بھی؟"

نانا ہنس پڑے "کیڑے مکوڑوں اور سانپوں سے تو بس دور کی محبت بھلی۔ دیکھو یہ جو لمبے لمبے بالوں والی تتلی اپنی جان بچانے کے لیے دیودار کے درخت سے کھیلتی ہے نا؟ کبھی اس کے پاس نہ جانا، نہیں تو اس کے بال تمھارے ہاتھ پر چپک جائیں گے اور بہت درد ہوگا ہاں اگر انگلیوں پر نیبو لگا کر سکھا لو تو بال الگ ہو جاتے ہیں۔"

" نانا وہ کس کی بیوی تھی؟ اب کہاں ہے؟"

" وہ میری بیوی تھی، اب وہ سورگ کے راجا، یوبلی، کے محل میں رہتی ہے۔ وہاں ہر کوئی خوش رہتا ہے۔ جب سے وہ چلی گئی میں یہاں رہنے لگا۔"

" بری بیوی! آپ کو چھوڑ کر چلی گئی!"

" نہیں نہیں کانو وہ بہت اچھی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں رونز، اپنے کوتے کی، اچھی طرح دیکھ بھال کروں اور میں بائیس برس اس کی دیکھ بھال کرتا رہا مگر ایک دن وہ اُڑ گیا اور پھر کبھی واپس نہیں آیا۔ سمجھ میں نہیں آتا جب میں بیوی سے ملوں گا تو اسے کیا جواب دوں گا۔"

کانو حیران ہو گیا۔ " نانا آپ ان سے کیسے ملیں گے؟ کیا آپ کو سورگ کا رستہ معلوم ہے؟"

نانا جھنجھلا گئے۔ " یہ کیا مشکل ہے جیسے سب چھوٹے ندی نالے، بڑا پانی تک جانے کا رستہ آپ ہی آپ جان جاتے ہیں، اسی طرح میں بھی اپنا رستہ آسانی سے تلاش کر لوں گا۔

بڑا پانی دیکھا ہے نا؟ وہی دریا جو موٹر کی سڑک کے ساتھ ساتھ بہتا ہے۔ وہ سڑک جو میدانی علاقے کو جاتی ہے۔ اچھا بہت باتیں ہو لیں۔ چلو ندی میں مچھلیاں پکڑیں، کل چھٹی ہے نا؟ اس لیے تمہیں تو آج ہوم ورک بھی کرنا نہیں ہوگا۔"

مچھلی پکڑنے کی چھڑ اور کانٹا لے کر وہ چھوٹے پل کے نیچے اترے اور چکر کھاتی سڑک پر چلنے لگے۔ نانا کے گھٹنے ذرا اکڑے رہتے تھے اور سیڑھیاں چڑھنے اترنے میں انھیں تکلیف ہوتی تھی، مگر جب نانا جوان تھے تو اپنی پیٹھ پر بھاری بوجھ اٹھا کر دو دو سیڑھیاں پھلانگ کر چڑھ جاتے تھے۔

پل کے نیچے مچھلیاں پکڑنے کی ایک خاص جگہ تھی۔ بید مجنوں کے سائے میں جس کی شاخیں پانی پر جھکی ہوئی تھیں، وہ اپنے گرم پتھر پر بیٹھ گئے۔ نانا بڑی بڑی چیونٹیوں کے انڈے لائے تھے جن کی بو پر مچھلیاں دوڑ کر آتی ہیں۔ نانا ماہی گیری کے سارے گر جانتے تھے۔ انھوں نے اِسی پتھر پر بیٹھ کر برسوں تک دادا ابا اور پھر باپو کے ساتھ مچھلی کا شکار کھیلا تھا۔

" دیکھو لڑکے! ننھی منی مچھلیوں کو کبھی نہ پکڑنا۔ وہ مچھلیوں کے بچے ہوتے ہیں۔ دیکھو پانی میں کیسے اچھل کود رہے ہیں۔ بس جو مچھلی پکا کر کھائی جا سکے اس کو پکڑنا چاہیے۔ باقی سب کو واپس پانی میں چھوڑ دو۔" نانا نے ایک ننھی مچھلی کے گلے سے سنبھال کر کانٹا نکالا اور اُسے پانی میں واپس ڈال دیا۔

" نانا، کیا آپ سب جانوروں سے پیار کرتے ہیں؟ مچھلیوں اور پرندوں سے بھی؟"

نانا ہنس پڑے " کیڑے مکوڑوں اور سانپوں سے تو بس دور کی محبت بھلی۔ دیکھو یہ جو لمبے لمبے بالوں والی تتلی اپنی جان بچانے کے لیے دیودار کے درخت سے کھیلتی ہے نا! کبھی اس کے پاس نہ جانا، نہیں تو اس کے بال تمہارے ہاتھ پر چپک جائیں گے اور بہت درد ہوگا ہاں اگر انگلیوں پر نیبو لگا کر سکھا لو تو بال الگ ہو جاتے ہیں۔"

"اور سانپ نانا؟"

نانا پھر ہنسے۔ سانپ جاڑے کے موسم میں تو چھوٹے چھوٹے سوراخ ڈھونڈ کر اس میں جاکر سوجاتے ہیں۔ اگر تم انھیں نہ چھیڑو تو وہ بھی تمھیں کچھ نہیں کہیں گے۔ ایک بار میرے بڑے بھائی نے پہاڑی پر، کنارے سے ایک پتھر اٹھایا تو دیکھا نیچے ایک گہرا سوراخ ہے جس میں ایک ہرے رنگ کا سانپ بے حس و حرکت پڑا ہے۔ چمکدار نیلی آنکھیں کھلی ہیں مگر حرکت نہیں کر رہی ہیں بڑے بھائی نے پتھر اپنی جگہ رکھ دیا "بہار کے موسم میں یہ جاگ جائے گا۔" میں نے پوچھا "اس کی آنکھیں کیوں کھلی تھیں؟" انھوں نے بتایا کہ سانپوں کی آنکھوں پر پپوٹے نہیں ہوتے، ہاں وہ کینچلی بدلتے وقت اندھا ہوتا ہے اس وقت اسے آسانی سے مارا جاسکتا ہے۔ "میں نے کہا "تو آپ نے اس خوفناک سانپ کو اسی وقت کیوں نہ مار ڈالا؟" بڑے بھائی نے کہا "نہیں! دشمن کو ایسے وقت مارنا جب وہ کمزور ہو؟ ایسا کبھی نہیں کرنا چاہیے۔"

۳

نانا ساری شام باتیں کرتے رہے۔ برسوں پرانے واقعات بیان کرتے تھے، تازہ واقعات یاد نہ رہتے تھے اس لیے بیان کرتے وقت نام اور مقام خلط ملط ہو جاتے تھے۔

جب شام کے سائے لمبے ہو گئے تو ان دونوں نے اپنی سب چیزیں سمیٹیں۔ کانٹا، ڈور، نانا کی پکڑی ہوئی پانچ درمیانی سائز کی مچھلیاں اور کانو کی ایک مچھلی جو سب سے بڑی تھی اور جس کو نکالنے میں نانا نے اس کی مدد کی تھی یہ سب لے کر وہ گھر چلے۔ اب ہوا میں کچھ خنکی آچلی تھی مگر چٹانیں اب تک گرم تھیں۔ نانا نے شمال میں افق کی طرف اشارہ کیا۔

وہاں ایک خوبصورت تصویر کی طرح، برف سے ڈھکی پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ یہ چوٹیاں اسی وقت دکھائی دیتی تھیں جب موسم بالکل صاف ہوتا۔ کانو حیرت اور جوش میں سانس روکے کھڑا دیکھ رہا تھا۔

"نانا کیا ہم کسی دن وہاں جا نہیں سکتے؟ کیا دادا ابا کبھی وہاں گئے تھے؟"

نانا نے انکار میں سر ہلایا، یہ برف سے ڈھکی پہاڑیاں وہاں سے میلوں دور تھیں۔ بیچ میں اور بہت سے پہاڑی سلسلے تھے۔ نزدیک کی پہاڑیاں سرسبز نظر آتی تھیں۔ دور کے پہاڑ نیلے اور دھندلے نظر آتے تھے اب ان کی بستی ملکی قریب آ چکی تھی۔ ملکی کے گھر اور باغ بہت سندر لگ رہے تھے۔ ملکی کے ان ڈھلوانوں پر جہاں خوب دھوپ پڑتی جنگلی رس بھریاں اگی ہوئی تھیں۔ چٹانوں کے بیچ کے سائے دار گوشوں میں بنفشہ کے ننھے ننھے سفید جنگلی پھول عجیب بہار دکھا رہے تھے۔ ان کی بھینی بھینی خوشبو ماں کو بہت پسند تھی۔

لمبے چکر لگاتے رستے سے گھر پہنچنے میں خاصی دیر لگی۔ نانا کا سانس پھول رہا تھا۔ دو بار وہ رستے میں دم لینے کو رکے تھے۔

"پہاڑ پر چڑھتے وقت منہ کو بند رکھو اور ناک سے سانس لو۔ نہیں تو تمہارا سانس پھولنے لگے گا۔" نانا نے کہا۔

"مگر نانا آپ بھی تو ہانپ رہے ہیں۔"

نانا ہنس پڑے۔ "میں تو بچے! لگ بھگ اسی برس کا ہو گیا ہوں۔ ہانپنے پر مجبور ہوں میں تو کشتی کے انتظار میں ہوں جو مجھے لینے آئے گی۔" کانو بڑا حیران ہوا۔ "نانا بھلا ان پہاڑی ندیوں میں کشتی کیسے آ سکتی ہے؟ ماسٹر جی کہتے ہیں کہ کشتیاں بس پہاڑ کے دامن تک آ سکتی ہیں جہاں سب ندی نالے جا کر بڑا پانی سے مل جاتے ہیں۔"

نانا ایک منٹ کسی سوچ میں کھوئے رہے۔ "یہ بات ہے؟ تو پھر مجھے بڑا پانی جانا پڑے گا۔"

"کیا میں بھی آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں نانا؟"

"نہیں تم تو ابھی کل سات برس کے ہو۔ کشتی تمہیں نہیں لے جائے گی۔ میں تو اسی برس کا بڈھا ہوں، میں نے بہت کچھ سہا، بہت کچھ دیکھا، بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں نے بہت محنت سے کام کیا۔ بہت دکھ اٹھائے اور خوشی بھی پائی۔ میں نے جنگل کی آگیں بجھائی ہیں پرانے درختوں کو کاٹا ہے، نئے پودے لگائے ہیں۔ یہ تو تم جانتے ہو کہ جب کوئی پرانا درخت کاٹا جائے یا مردہ ہو جائے تو اس کی جگہ نیا پودا ضرور لگانا چاہیے۔"

"مگر کیوں نانا؟"

"یہ نہ ہو تو سارے پہاڑ گنجے نہ ہو جائیں؟ وہاں چٹانوں کے نیچے درختوں کی جڑیں نہ ہوں گی جو مٹی کو تھامتی ہیں اور چٹانوں کو کٹنے سے روکتی ہیں۔ بارشیں بھی کم سے کم ہوتی جائیں گی اور زمین ننگی اور بنجر ہو جائے گی۔"

"نانا! آپ نے اور کیا کچھ کیا ہے؟

"میں نے پالتو جانوروں کو سدھایا ہے۔ جنگلی درندوں کو مارا ہے۔"

"آہاہا نانا! تب تو آپ نے جنگلی جانور ریچھ اور شیر بھی مارے ہوں گے؟ کیا آپ ان کے لیے پھندے لگائے تھے؟"

نانا بگڑ گئے۔ "کیا کوئی بہادر مرد بے خبر جانور کے لیے پھندے بچھاتا ہے؟ نہیں! شکاری کو جنگلی درندے کا اسی وقت شکار کرنا چاہیے جب وہ آزاد گھوم رہا ہو۔"

"تو پھر جنگل کے افسروں نے لائی کر روڈ، پر جال کیوں لگایا ہے؟" کانو نے پوچھا۔

"اچھا وہ؟ وہ تو ان چوروں کے لیے ہے جو ملکی کے معصوم میمنوں، مرغیوں اور ننھے سوروں کو کھا جاتے ہیں۔ اس کو تم شکار تو نہیں کہو گے۔"

کانو نے بتایا "وہ ایک ننھے میمنے کو پنجرے میں باندھ دیتے ہیں۔ بے چارا اندھیرے میں بے حد ڈرتا اور اپنی ماں کو پکارتا رہتا ہے۔ میں نے خود اس کی آواز سنی ہے پھر شیر آتا ہے اور اسے کھا جاتا ہے۔" کانو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

نانا خفا ہو کر بولے "احمق نہ بنو لڑکے۔ وہ دھاری دار شیر نہیں چتی دار چیتے ہوتے ہیں، شیر اتنی اونچی پہاڑیوں پر نہیں آتے۔ پھر وہ ننھے میمنے کو کھا تھوڑی سکتا ہے۔ چونکہ وہ تو الگ پنجرے میں بند ہوتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب چیتا پنجرے میں گھستا ہے اور میمنے تک پہنچنے کے لیے کھٹکے کو کھینچتا ہے تو پنجرے کا دروازہ کھٹ سے بند ہو جاتا ہے اور وہ قید ہو جاتا ہے۔ کچھ نہ پوچھو وہ کس طرح دہاڑتا ہے۔ پھر میمنے کو آزاد کر دیا جاتا ہے اور وہ اندھا دھند اپنی ماں کی تلاش میں بھاگتا ہے۔ وہ بیچارہ ڈر تو بہت جاتا ہے مگر اسے ہوتا کچھ نہیں۔ آدمی کو جاننا چاہیے کہ خوف کیا چیز ہے، تبھی تو وہ بہادر بنے گا۔"

ملکی کی چھوٹی سی بستی میں دن گزرتے رہے۔ گرمی میں وہاں دن رات بارش ہوتی تھی کبھی موسلا دھار بارش ہوتی تو کبھی پھوار پڑتی رہتی۔ دور کی پہاڑیاں بادلوں سے ڈھکی نظر آتیں۔ قریب کی پہاڑیوں پر سینکڑوں چھوٹے چھوٹے ندی نالے بہہ نکلتے جو آگے چل کر دوسری ندیوں سے مل جاتے" اور پھر اکٹھے جھاگ اڑاتے، اچھلتے کودتے، پہاڑی کے دامن میں پہنچتے اور بڑا پانی سی

مل جاتے، کبھی کبھی سوتے سوتے کانو کی آنکھ چھت کی دراڑوں سے پانی ٹپکنے کی آواز سے کھل جاتی جو لکڑی کے فرش پر ٹپ۔ ٹپ۔ ٹپ گرتا ہوتا۔ ماں جاگ اٹھتی اور ٹپکنے کی جگہ نقشین تسلہ رکھ دیتی۔ آدھے سوتا آدھے جاگتا کانو بارش کی گرتی بوندوں کی دلکش موسیقی سنتا رہتا۔ جب برتن بھر جاتا تو آواز بھاری اور بھدی ہو جاتی اور کانو پھر سو جاتا۔

کانو سو کر اٹھا تو اب تک بارش ہو رہی تھی۔ ماں بہت اداس تھی۔ ان کو اپنی ماں کے چھوٹے سے گھر کا خیال آ رہا تھا جو میدانی علاقے میں دریائے اجے کے کنارے تھا۔ انھوں نے اسکول جانے کے لیے کانو کی کتابیں بستے میں رکھیں اور جوتے کا ایک زاید جوڑا بھی لپیٹ کر دے دیا۔ یوبن کو ساتھ رہنے کو کہا کہ کہیں وہ گر نہ پڑے۔ بارش نے سب سڑکوں کو پھسلواں کر دیا تھا۔ اماں نے بتایا جب اتنی تیز بارش ہوتی ہے تو اجے میں سیلاب آجاتا ہے۔

"ماں کیا نانی کا گھر اسی میں بہہ جائے گا؟"

"نہیں کانو۔ ہمارا گھر اونچی جگہ بنا ہے جہاں سیلاب کا پانی نہیں پہنچ سکتا۔"

کانو بولا "دھن کٹی ندی میں بھی سیلاب آتا ہے۔ پتھر کی سب سیڑھیاں پانی میں ڈوب جاتی ہیں لمپارنگ کے لوگ اُسے پار کر کے نہیں آسکتے مگر گھنٹہ بھر میں سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ نانا کہتے ہیں سب ندی نالے بڑا پانی میں جا گرتے ہیں، جہاں نانا کی کشتی آئے گی۔"

ماں نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا "ہمارے گاؤں میں تو سیلاب کا پانی ہفتوں ٹھیرا رہتا ہے لوگ کشتیوں میں اِدھر سے اُدھر آتے جاتے ہیں۔ دھان کے ہرے کھیت سات دن تک پانی میں ڈوبے رہتے ہیں اور ہوا نہ ملنے سے مر جاتے ہیں۔ تمہاری دھن کٹی ندی ہمارے اجے کے سامنے ایک نالے سے زیادہ نہیں۔"

کانو چپ ہو گیا وہ جانتا تھا کہ ماں اپنے گاؤں سنائی اور اجے کی یاد سے اداس ہو جاتی ہے اس نے سوچا "ہماری دھن کٹی ندی فصلیں تو نہیں برباد کرتی بلکہ ان سے پودوں کو سینچتے ہیں جن سے کھیت لہلہا اٹھتے ہیں۔"

نانا مسکرانے لگے "اور ہاں یہی چیز جنگل میں آگ بھی لگا دیتی ہے لڑکے۔ جاڑے بھر پیڑ خشک ہوتے رہتے ہیں۔ پھر جب مارچ میں خشک ہوائیں چلتی ہیں اور سوکھی شاخیں ایک دوسرے سے رگڑ کھاتی ہیں تو آگ لگ جاتی ہے۔ سبھی پہاڑی مخلوق جنگل کی آگ سے ڈرتی ہے۔ ارے میں نے کیا کیا نہیں دیکھا۔"

وہ دونوں ان کے قریب کھسک آئے۔ "کیا کیا دیکھا ہے آپ نے نانا؟"

"ہوا آگ کو بھڑکاتی ہے اور شعلے خشک جنگل کی طرف یوں لپکتے ہیں جیسے کوئی گھوڑی سرپٹ اڑی جا رہی ہو۔ یہ آگ میلوں تک پھیلتی اور جلاتی چلی جاتی ہے، رات کو آسمان بالکل سرخ نظر آتا ہے اور پہاڑی گاؤوں کے سب لوگ جنگل کے محافظوں کے ساتھ آگ بجھانے میں جٹ جاتے ہیں۔"

شیام نیا نیا پہاڑی علاقے میں آیا تھا۔ اس نے کبھی جنگل کی آگ نہیں دیکھی تھی، وہ بہت سہم گیا اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا "نانا کیا سب گاؤں والے جل کر مر جاتے ہیں؟ آخر فائر بریگیڈ کیوں نہیں آتے آگ بجھانے کے لیے؟"

کانو نے کبھی فائر بریگیڈ کا نام بھی نہ سنا تھا۔ اس نے شیام کو سمجھایا۔ "تم بے وقوف ہو۔ ارے بھئی جنگل کے رکھوالے اور گاؤوں والے مل کر آگ بجھا لیتے ہیں۔ وہ درختوں کی شاخوں کو توڑ کر اس سے آگ کو پیٹتے ہیں اور وہ بجھ جاتی ہے۔"

کارخانے کے محافظ نے کہا۔ "ہاں اور کیا۔ یہاں تو اسی طرح کام چلتا ہے۔ آگ بجھانے والے انجن کے آنے کے لیے یہاں سڑکیں کہاں ہیں؟ اور پھر یہاں پانی کے وہ نل کہاں ہیں جن سے وہ پانی لیں گے۔ نہیں بھئی، ہم خود ہی اپنے یہاں کی آگ بجھا لیتے ہیں۔ اور پھر ہماری فائر لائنیں بھی تو ہیں۔"

۴

خزاں کا وقت آیا۔ اسکول میں ایک ہفتے کی چھٹی ہو گئی اور لوگ خوبصورت آبشار اور دیودار کے جنگل میں پک نک منانے جانے لگے۔ دھن کٹی سے کانو اور اس کا دوست شیام نانا کے ساتھ لائی پہاڑ کی چوٹی پر عمارتی لکڑی کا کارخانہ دیکھنے گئے۔ کیسے آسانی سے بڑے بڑے گول آرے، سفید لکڑی کو چیرتے تھے، کیسی اس میں سے سرسر شوں شوں کی آواز نکلتی اور لکڑی کا باریک برادہ بکھر جاتا تھا۔ کانو اور شیام نے برادہ اپنی مٹھیوں میں بھر لیا۔ اس میں سے عود کی سی خوشبو آ رہی تھی۔ باڑے والے نے بتایا "یہ تیل ہے جو اس لکڑی کے اندر ہوتا ہے، یہ ماچس کی تیلی کی طرح بھک سے جل اٹھتا ہے۔ یہ جتنے بڑے بڑے دیودار ہیں ان میں تیل بھرا ہے۔ کبھی کبھی شاخوں کی دراڑوں میں سے یہ تیل باہر نکل آتا ہے اور سخت ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے سنہرے گوند کی ننھی ننھی گولیوں کو اس کی شاخوں پر چمکتے دیکھا ہے؟ یہی گوند ہے جس سے جلانے والی خوشبوئیں بنائی جاتی ہیں۔"

شیام نے فائر لائن دیکھی تو تھی مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ کاہے کے لیے ہے۔ نانا نے اسے سمجھایا "تم اسی موڑ سے لمپارنگ کی فائر لائن دیکھ سکتے ہو۔ یہ زمین کی چوڑی سپاٹ پٹی ہے جو پہاڑ کے دامن سے لے کر چوٹی تک اور وہاں سے دوسری طرف نیچے تک چلی گئی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ لمپارنگ کے گھروں تک آگ کو پہنچنے سے پہلے روکا جا سکے۔ یہ اتنی چوڑی ہوتی ہے کہ شعلے اسے پار نہیں کر سکتے۔ یہاں کوئی بھی چیز اُگنے نہیں دی جاتی ہے۔ آگ کو فائر لائن کے سرے پر پہنچ کر رک جانا پڑتا ہے اور وہ خود ہی جل کر راکھ ہو جاتی ہے اور گھر محفوظ رہتے ہیں۔"

نانا نے سر ہلایا۔ انھیں پرانے زمانے کی آگیں یاد آ رہی تھیں۔ "ہم جیسے پک نک منانے والے بھی اکثر جنگل میں آگ لگا دیتے ہیں۔ جلتے سگریٹ کا ذرا سا ٹکڑا خشک پتیوں پر پھینک دیا اور ایک سیکنڈ میں آگ بھڑک گئی۔ کبھی لوگ چائے وغیرہ بنانے کے لیے آگ سلگاتے ہیں اور آس پاس کی سوکھی گھاس اور پتیاں آگ پکڑ لیتی ہیں۔ ناسمجھ لوگ اکثر ایسا کرتے رہتے ہیں۔

"لڑکو، جنگل کی آگ بڑی ہی بھیانک ہوتی ہے۔ میں نے جنگلی درندوں کو خوف سے بدحواس بری طرح بھاگتے دیکھا ہے۔ شیر اور ہرن اکھٹے جان بچانے کے لیے بھاگتے ہیں اور کوئی ایک دوسرے کی پرواہ نہیں کرتا۔ بھئی اب اور باتیں کرو، جنگل کی آگ کا ذکر مجھے اداس کر دیتا ہے۔"

وہ موٹے تاروں سے بنے اس رستے کو دیکھنے گئے جس کے ذریعے کٹی ہوئی لکڑی بہت تیزی سے پہاڑی سے کارخانے تک لائی جا سکتی تھی۔ کس قدر موٹے تھے یہ لوہے کے تار۔ لکڑی سے لدے ٹھیلے کس روانی سے ان پر دوڑتے تھے! اتنی اونچائی پر بجلی تو تھی نہیں بس زمین کی کشش سے یہ ٹھیلے نیچے کی طرف چلے جاتے تھے۔ جب باڑے میں لکڑی اتار لی جاتی تو ٹھیلے کو لوہے کی زنجیروں سے اوپر کھینچ لیا جاتا۔

واپسی میں انھوں نے بہت سے سفید اور سنہرے پر اکھٹے کیے۔ ان کو اگر ہتھیلی کی پشت

پر ملا جائے تو سفید نشان بن جاتا ہے۔ ہنی سیکل کی بیل توڑی۔ اس کے پھول چھوٹے چھوٹے دودھیا رنگ کے تھے جن سے میٹھی بھینی خوشبو نکلتی تھی۔

گھر آئے تو جھولیاں جنگلی پھولوں سے بھری تھیں۔ کانو نے یہ سب پھول ماں کی گود میں ڈال دیے۔ شیام اپنے پھول لے کر اپنے گھر چلا گیا۔

اماں پہلے تو ہنسیں اور پھر رونے لگیں۔ ہنی سیکل کو سونگھا اور بولیں "ارے کانو یہ تو بالکل ہماری بھوئی چمپا جیسا ہے۔ ایک بار میرے پتا برما میں شیگن کے جنگل گئے تھے۔ ایک جگہ ایک تیز خوشبو ان کی ناک میں آئی، چاروں طرف ڈھونڈا تو ایک بڑے پیڑ کی جڑ میں اُگے نازک سے سفید سندر پھول نظر آئے، جن پر لال لال پتیاں تھیں۔ اس میں نہ پتیاں تھیں نہ شاخیں۔ بس خوبصورت پھول سیدھے کھڑے تھے۔ ایسا لگتا جیسے موم کے بنے ہوں۔"

"ماں، وہ انھیں گھر نہیں لائے؟"

اماں مسکرائیں۔ "ہاں بیٹے وہ میری ماں کے لیے ان کو لے کر آئے۔ ماں نے انھیں اپنے باغ میں لگے آم کے پیڑ کے پاس بو دیا۔ اپنے بچپن میں میں نے خود انھیں دیکھا تھا۔" انھوں نے بتایا

"ہر سال جاڑے میں ان میں پھول آتا تھا۔ مرجھانے کے بعد زمین پر کچھ بھی نظر نہ آتا۔ پھر بہار کا موسم آتا تو پہلے لمبی لمبی ہری کونپلیں زمین سے سر نکالتیں اور کچھ ہی دنوں میں چوڑی چوڑی پتیاں بن جاتیں۔ خزاں کے موسم میں پتیاں تو مرجھا جاتیں اور ہلکے سبز رنگ کی کلیاں نکل آتیں جو کھل کر پھول بن جاتی تھیں، میں تو ان پھولوں کے کچھ ڈنٹھل یہاں بھی لے آئی تھی اور اپنے باغ میں لگائے تھے مگر سخت سردی میں وہ مر گئے۔"

کانو کا جی کڑھنے لگا۔ "ماں آپ کو یہاں نہیں بونا چاہیے تھا۔"

"ہاں ٹھیک کہتے ہو۔" اماں نے کہا اور ہنی سیکل کی بیل کمرے کی کھڑکی کے سامنے لگانے چلی گئیں جہاں سے وہ ان کی مہک سارے دن سونگھ سکیں۔

۵

پھر ایک رات بڑی پریشانی کی گزری۔ ملکی میں کوئی پلک تک نہ جھپکا سکا۔ ایک چیتا پنجرے میں پکڑا گیا تھا۔ غصے اور دکھ سے وہ اس بری طرح دہاڑ رہا تھا کہ بس جو سنے وہ جانے۔ بچے تک گرم گرم بستر چھوڑ کر اُسے دیکھنے نکل آئے تھے۔ کانو بھی نانا کے ساتھ وہاں پہنچا، اگرچہ ماں کو یہ بات پسند نہیں تھی۔

کانو نے بانس کی مشعلوں کی روشنی میں دیکھا کہ ایک چتی دار چیتا، پنجرے کی مضبوط لکڑی کی دیواروں پر غصے میں پنجے مار رہا تھا اور مسلسل چکر لگا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں مشعل

لی روشنی میں عجیب انداز سے چمک رہی تھیں یہ ایک بڑی قدآور مادہ چیتا تھی۔

کانو نے چاروں طرف میمنے کو دیکھا مگر وہ نظر نہ آیا، جب نانا سے پوچھا تو وہ ہنسنے لگے "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میمنہ یہ دیکھنے کے لیے رک جاتا کہ دیکھیں چیتے کا کیا ہوتا ہے؟"

"وہ چیتے کو ماریں گے تو نہیں نانا؟"

"نہیں نہیں۔ یہ تو بہت خوبصورت جانور ہے۔ اسے چڑیا گھر بھیج دیا جائے گا۔" ایک چوکیدار نے اُسے بتایا۔ نانا گمبھیر ہو گئے۔ "تم لوگوں کو جنگل میں ڈھونڈنا چاہیے، شاید آس پاس ہی اس کے بچے بھی ہوں۔"

کانو یہ سن کر جوش میں آگیا "بچے؟ کہاں ہیں؟" نانا نے کوئی جواب نہیں دیا اور کانو کو لے کر جلدی سے گھر آگئے۔ تماشا جو دیکھنا تھا وہ تو دیکھ لیا تھا مگر کسی گھر میں بھی کوئی سو نہ سکا۔ چیتا ساری رات دہاڑتا رہا۔ اُسے کھانے کے لیے مرغیاں اور دودھ ڈبل روٹی دی گئی، مگر کسی چیز سے اُسے سکون نہ ملا۔
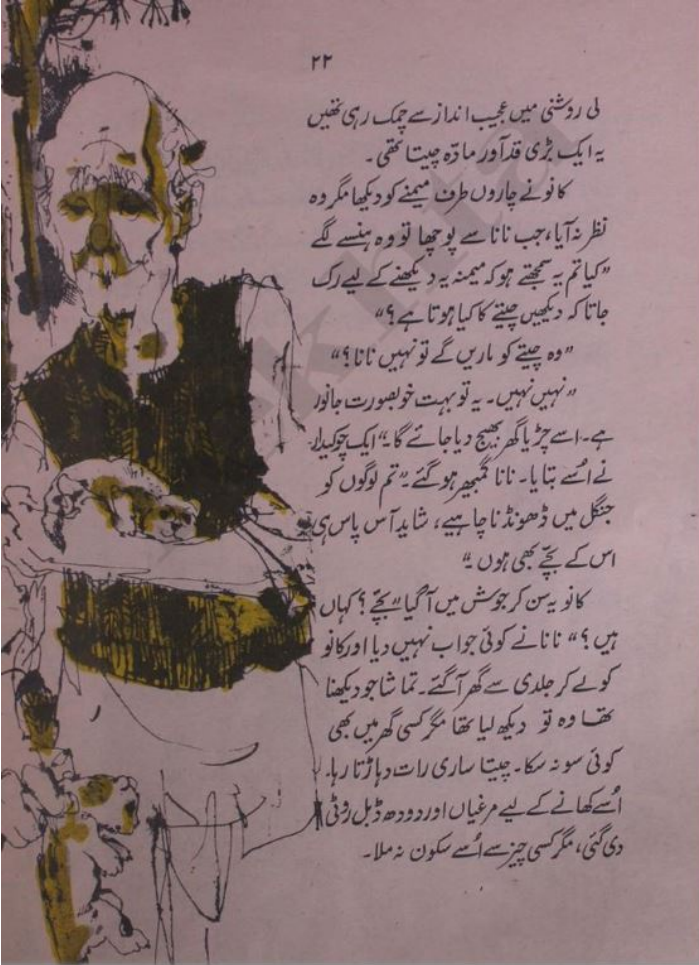
کانو بستر میں پڑا کانپتا رہا، کسی آزاد جنگلی درندے کے لیے پنجرے میں قید ہو جانا کتنا بھیانک ہوتا ہوگا۔ پھر جس کے بچے بھی جنگل میں اکیلے پڑے ہوں، ہائے کون ان کی دیکھ بھال کرے گا؟

دو دن بعد نانا کو جنگل میں کہیں سے دو بڑے عجیب سے بلّی کے بچے ملے، ان کے جسم پر ملائم فرتھی اور وہ بالکل گول مٹول تھے۔ آنکھیں سنہری اور کھال ہلکے بادامی رنگ کی جس پر کچھ نشان سے تھے۔ وہ چیڑ کی سوئیوں کے ڈھیر پر لوٹیں لگا رہے تھے۔ نانا نے انھیں دیکھا تو اٹھا کر گھر لے آئے۔ ماں نے ان پیارے پیارے بچّوں کو گود میں لیا اور ان کا سر سہلانے لگیں۔ پھر انھوں نے ان کو ایک پیالہ میں دودھ دیا جس کو بچّوں نے فوراً گرا دیا۔ اب ماں نے کبھی کی رکھی دودھ کی پیالی نکالی اور باری باری اس سے ان دونوں کو دودھ پلایا۔ ان کو چپڑ چپڑ کرکے دودھ پیتے دیکھ کر کانو ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا۔

گھر بھر بہت خوش تھا سوائے میاں بھوں بھوں اور بی میاؤں کے۔ انھیں باورچی خانے میں باندھ دیا گیا تھا۔ غصے سے ان کے جسم کے بال کھڑے ہو گئے تھے۔

"سبھی جانور اجنبیوں سے نفرت کرتے ہیں جب تک وہ ان کے عادی نہیں ہو جاتے۔ مگر ہیں یہ بلّی کے بچے بڑے خوبصورت" اماں نے کہا۔

"یہ بلّی کے بچے نہیں ہیں" نانا دروازے سے بولے۔ "یہ تو چیتے کے بچّے ہیں۔ کیا تم انھیں رکھنا پسند کرو گی بیٹی۔"

اس وقت وہ دونوں آتش دان کے سامنے بچھے قالین پر پڑے سو رہے تھے۔ عین مین جیسے اون کی دو بڑی بڑی گیندیں ہوں۔ اماں یہ سن کر گھبرا گئیں۔ "اے ہے! تبھی ان کی ماں رات بھر دہاڑتی رہی ہے۔ اچھا جب تک جنگل کے افسر آ کر ان کو لے نہیں جاتے، ہم ان کی دیکھ

بھال کریں گے۔"

کانو کو بڑی مایوسی ہوئی۔ "ماں! ان کو چڑیا گھر بھیج کر پنجرے میں بند کرانے کی بجائے ہم ہی کیوں نہ پال لیں؟"

بڈھا دودھ والا جو روز صبح کو بانس کے بنے لمبے لمبے برتنوں میں مزے دار سفید دودھ بھر کر لایا کرتا تھا، یہ سن کر چونک پڑا۔ "کیا کہا؟ چیتے کے بچوں کو گھر میں رکھو گے؟ جانتے نہیں جنگلی درندوں کو گھر میں رکھ کر سدھایا نہیں جا سکتا، بہت دن کی بات ہے، ایک دفعہ میں نے جنگل میں ایک ایسا ہی بچہ پڑا پایا۔ میں اُسے گھر لے آیا اور پالنے لگا، ارے بھئی وہ تو اس تیزی سے بڑھنے لگا اور اتنا کھانے لگا کہ توبہ بھلی۔ میری بوڑھی ماں اور بیوی حیران و پریشان کہ کیا کریں کیا نہ کریں؟ لیکن وہ ایسی پیاری پیاری حرکتیں کرتا کہ سب اُسے پسند کرتے تھے۔ کچھ دن
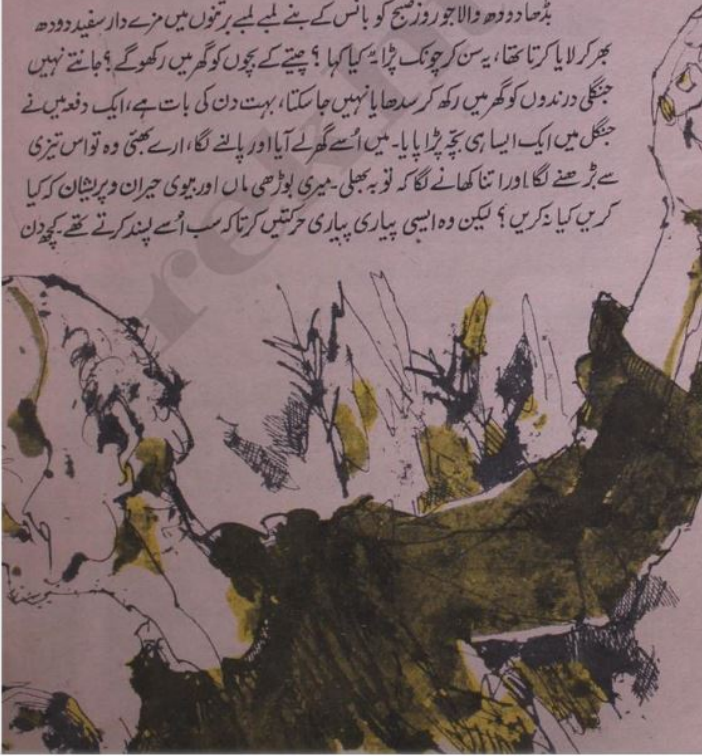
بعد اس کی کھال پر بڑے بڑے بھورے دھبے نظر آنے لگے اور سب کو پتہ چل گیا کہ وہ چیتا ہے۔

"پھر ایک صبح اس نے میری بیوی کی پالتو مرغی کھا ڈالی۔ ارے! پنجے، چونچ، غرض کہ سب کچھ نگل گیا، میری بیوی بہت خفا ہوئی۔ رات کو اسے صحن میں رسی سے باندھ دیا گیا۔ صبح کو ہمیں رحم آیا سوچا بچارے کو کھول دیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس نے وہ رسّی چبا ڈالی تھی جس سے اُسے باندھا تھا اور غایب ہو چکا تھا، ہماری نئی بھیڑ بھی غائب تھی۔ پھر کبھی ان دونوں کا رواں بھی نظر نہیں آیا۔ اصل میں جنگلی درندے سدھائے جا ہی نہیں سکتے۔"

جب محکمہ جنگلات کے آدمی آکر چیتے کے بچوں کو ان کی ماں کے پاس لے گئے تو کانو بہت اداس ہو گیا۔ نانا اُسے بہلانے کے لیے شہد کی مکھی کا چھتہ دکھانے لے گئے۔ چھتہ ایک بہت بڑی سی گیند کی طرح تھا جو پوری گول نہ تھی۔ یہ چھتہ روز بڑھتا جا رہا تھا۔ کانو نے دیکھا اس میں سے شہد کے کچھ قطرے پیڑ سے نیچے ٹپک جاتے ہیں اور بڑی بڑی کالی چیونٹیاں وہاں جمع

ہو جاتی ہیں۔

کچھ دن بعد یوبن کو ایک شہد کی مکھی نے کاٹ کھایا۔ دودھ والے نے ماں کو ڈرا دیا کہ اب گھر والوں کا یہاں رہنا کٹھن ہو جائے گا اس لیے شہد کے چھتے کو جلا دینا چاہیے۔ نانا یہ سن کر بہت ناراض ہوئے۔ شہد کی مکھیاں اسی وقت تک کسی کو نہیں کاٹتیں جب تک خود انھیں پریشان نہ کیا جائے۔ کیوں، یوبن نے انھیں ڈرانے کے لئے صنوبر کی شاخ پر پڑا لٹکایا تھا؟

رات گئے اماں کی اجازت سے دودھ والا گاؤں سے کچھ لوگوں کو لے کر آ گیا۔ بانس کی لمبی مشعل بنا کر اسے ایک لمبی لکڑی کے سرے پر باندھا اور چھتے میں آگ لگا دی۔ موم تو اس میں بھرا ہی تھا۔ بھک بھک جلنے لگا۔ مکھیاں اندھا دھند اندھیرے میں اڑنے لگیں۔ کچھ کے پر جھلس گیے اور وہ زمین پر گر گئیں۔ پھر گاؤں والوں نے آگ بجھائی اور چھتے لے کر چل دیے۔ کانو خوب رویا دودھ کو چھوا تک نہیں۔

نانا نے ڈانٹا اور کہا "تم نے بھی تو چیونٹیوں کے بل میں پانی ڈال کر انھیں ڈبو دیا تھا"

یہ سن کر کانو ان غریب چیونٹیوں کے لیے رونے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ نانا بھی اداس ہیں۔

"مکڑیاں بری ہوتی ہیں۔ مکھی کو کھا جاتی ہیں۔ پرندے بہت برے ہوتے ہیں، وہ تتلیاں کھا جاتے ہیں"

نانا نے کہا "چھوٹے لڑکے بھی ایسے ہی برے ہیں۔ وہ بچاری مرغیوں، مچھلیوں، اور بھیڑوں کھا جاتے ہیں۔ دنیا میں یہی ہوتا رہتا ہے۔ اچھا اب دودھ پی لو اور سو جاؤ۔"

سے لیس بہت سنبھل سنبھل کر آگے بڑھنے لگے۔

"اگلے دن جب ہاتھی نے ایک چھوٹی پارٹی پر حملہ کیا تو انھوں نے بچارے جانور کو گولی مار دی۔ وہ سڑک پر سے دریا کے کنارے گر کر مر گیا مگر اگلے دن راستہ چلتے لوگوں نے پھر ہاتھی کی چنگھاڑ سنی تو حیران رہ گئے۔ تمہارے باپو کچھ لوگوں کو لے کر دریا کے کنارے گئے تو وہاں ہاتھی کے بچّے کو دیکھا جو اپنی مردہ ماں کو اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بچارے بچّے کا اس کوشش میں پیر زخمی ہو گیا تھا اور وہ لنگڑا رہا تھا۔

"اب تمہارے باپو یہ سمجھ گئے کہ ہتھنی یہ سمجھتی تھی کہ سروے کرنے والے اس کے بچّے کو پکڑنے آئے ہیں تبھی تو وہ ان پر حملہ کرتی تھی۔ سب لوگ رنجیدہ ہو گئے انھوں نے بچّے کے پیر کی مرہم پٹی کی اور اسے گنّے کھانے کو دیے اور پھر اسے کیمپ میں لے آئے اور سدھانے کی کوشش کرنے لگے اور شروع شروع میں ہاتھی کے بچّے کو کوئی چھوتا تو اسے بڑی گدگدی لگتی۔ وہ اس طرح بدکتا کہ سدھانا مشکل ہو گیا۔ وہ اُسے خوب سہلاتے، کھرا کرتے کہ یہ عادت چھوٹ جائے، باپو نے بتایا کہ وہ کس قدر بدن کو توڑتا مروڑتا اور بل کھاتا تھا اور ایسی آوازیں نکالتا تھا جیسے ہنسی سے بے قرار ہو۔ آخر کسی نہ کسی طرح انھوں نے اُسے اتنا سدھا لیا کہ جب اس پر بوجھ رکھا جاتا تو گدگدی محسوس نہ ہوتی۔ وہ بڑا کھلنڈرا تھا۔ سب اس سے پیار کرتے تھے۔ چپکے سے دبے پاؤں کسی جھاڑی کے پیچھے سے نکلتا اور جو بھی وہاں کھڑا ہوتا اسے چت گرا دیتا۔ اگر تم دیکھو کہ یہ لمبے چوڑے ہاتھی کتنی نرمی سے کیسے دبے پاؤں چلتے ہیں تو حیران رہ جاؤ۔ انھوں نے اس کا نام رگھو بیر رکھا تھا، وہ اب تک سروے کے لوگوں کے ساتھ ہے۔"

اگرچہ کہانی کا انجام تو خوش گوار ہے مگر کانو ماں ہتھنی کے بارے میں سوچ کر سنجیدہ

۶

کانو بہت دن تک چیتے کے بچوں کو یاد کرتا رہا۔ دوسری طرف بی میاؤں اور میاں بھوں بھوں بہت خوش نظر آتے تھے۔ وہ خوب اچھلتے کودتے اور جن کونوں میں چیتے کے بچے بیٹھا کرتے تھے ان کو سونگھتے پھرتے۔ ماں جانتی تھیں کہ کانو ان بچوں کے چلے جانے سے بہت اداس ہے۔

"کانو کیا تم سے میں نے اس ہاتھی کے بچّے کا ذکر کیا ہے جسے سروے پارٹی نمبر بارہ نے گارو کی پہاڑیوں کے قریب پکڑا تھا۔"

کانو نے سونگھ لیا کہ کہانی دلچسپ ہو گی۔ وہ ماں کے قریب کھسک آیا "نہیں ماں پھر کیا ہوا؟ ہاتھی کا بچہ اب کہاں ہے؟"

"میرا خیال ہے وہ جہاں بھی ہے اچھا ہو گا اور خوب کام کرتا ہو گا۔ ہاتھی بہت قیمتی جانور ہے۔ لوگ اس کی بہت دیکھ ریکھ کرتے ہیں۔"

"سروے پارٹی نمبر بارہ تو باپو کی اپنی پارٹی ہے نا؟ کیا باپو نے اس بچّے کو دیکھا تھا؟"

"ہاں کیوں نہیں دیکھا تھا۔ دراصل وہ ہاتھی پکڑنے نہیں گئے تھے بلکہ نپائی کر رہے تھے۔ شام کو کچھ لوگ جب کیمپ واپس آئے تو انھوں نے بتایا کہ ایک خطرناک ہاتھی ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ تمہارے باپو نے ان سے پوچھا کہ ایک ہاتھی تھا کہ پورا غول۔ انھوں نے بتایا کہ ہم نے تو ایک ہی ہاتھی دیکھا تھا، سروے کرنے والے جانتے ہیں کہ اکیلا ہاتھی اکثر پاگل اور بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اب دو دو تین تین آدمی بڑی بندوقوں

ہو رہا تھا جو بچاری اپنے بچے کو بچانے کی خاطر ماری گئی۔
نانا نے کہا "مگر نہ بھولو کہ وہ سروے کے لوگوں کو مارنا چاہتی تھی۔ اچھا سنو ایک لنگور کے بچے کی مزے دار کہانی۔
"یہ بنارس کا قصہ ہے۔ میری ماں دوسرے یاتریوں کے ساتھ پہاڑی علاقے سے بنارس

یاترا کرنے گئی تھی۔ بنارس میں لوگوں کا ہجوم جو ایک دوسرے سے کہنیاں مارتا سڑک پر چلتا تھا۔ گھاٹ پر سیڑھیاں جو کنارے سے پانی تک بنی ہوئی تھیں اور سینکڑوں کشتیاں۔ پھر دودھ سے بنی مزے دار مٹھائیاں جو بہت سستی تھیں۔ سبھی چیزیں انھیں پسند آئیں سوائے ان لنگوروں کے جن کے غول کے غول ہر جگہ موجود تھے، بہت سے گھروں کے آنگن کے اوپر تاروں کے جال لگے ہوئے تھے کہ ان سے بچ سکیں، وہاں لوگ انھیں، ہنومان کہتے تھے اور انھیں کوئی مارتا نہیں تھا۔ وہ متبرک سمجھے جاتے تھے۔
"وہ پھلوں کے درختوں کو برباد کر ڈالتے، دھو کر سوکھنے کے لیے ڈالے گئے کپڑے اٹھا لے جاتے، ننھے بچوں کو ڈراتے اور خوب خوش ہوتے۔ میری ماں اور دوسرے یاتری ان سے ڈرتے تھے۔ ایک دن صبح سویرے انھوں خوفناک چیخوں اور بندروں کی بھپکیوں کی آوازیں سنیں ہنومان آپس میں لڑ رہے تھے۔ میری ماں اور دوسری عورتیں گھر کے اندر بھاگیں اور دروازہ بند

کرنے والی تھیں کہ اچانک ایک بڑی سے بندریا اندر آگھسی، اپنے بچے کو میری ماں کی گود میں رکھا، لپک کر دیوار پر چڑھی اور غائب ہوگئی۔

بچہ شاید ایک مہینے کا تھا۔ بڑا پیارا سا۔ کچھ کھا تو سکتا ہی نہ تھا، بس کپڑے کی بتی کو چوس لیتا تھا جو دودھ میں ڈبو کر اس کے منھ میں دیدی جاتی تھی، ہر ایک نے اسے گود میں لے کر پیار کیا شام کا اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ اچانک میری ماں یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ ہنومان، دروازے کے باہر کھڑی ہے۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ رکھے تھے اور آدمی جیسی لگ رہی تھی، ماں نے بچے کو اسی کی گود میں دیدیا۔ وہ لپک کر دیوار پر چڑھ گئی، بچہ اس کے پیٹ سے چپکا ہوا تھا۔"

"مگر نانا یہ کیوں ہوا؟"

"کیا تم نہیں جانتے کہ کبھی کبھی نر جانور اپنے ننھے بچے پر حملہ کر دیتے ہیں۔ یا شاید دشمن کا کوئی غول حملہ کر رہا ہوگا، جو بھی ہو۔ ماں بندریا جانتی تھی کہ اس کا بچہ ان عورتوں کے پاس حفاظت سے رہے گا۔ کیوں؟ کہانی پسند آئی نا؟" "ہاں۔ بہت پسند آئی" کانو نے کہا اور اپنی ماں سے چمٹ گیا۔

"ماں بہت اچھی ہوتی ہے!" وہ سوچ رہا تھا۔

۷

جیسے جیسے سال ختم ہونے پر آ رہا تھا، دن اور زیادہ ٹھنڈے ہوتے جا رہے تھے۔ ہوا بلور کی طرح شفاف تھی۔ رات کو آسمان ایسا لگتا جیسے بہت بڑا پیالہ اوندھا کیا رکھا ہو۔ وہ ارغوانی رنگ کا نظر آ رہا تھا جس میں تارے جڑے ہوئے تھے۔ ماں نے اشارے سے اُسے سیارے دکھائے جن میں اپنی روشنی نہیں ہوتی بلکہ سورج کی روشنی پڑنے سے چمکتے ہیں۔ جو تارے خود اپنی روشنی رکھتے ہیں وہ برابر ٹمٹماتے رہتے ہیں۔" اصل میں یہ سب خود ہی سورج ہیں جن کے اپنے سیارے ہوتے ہیں، جو ان کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔" ماں نے بتایا۔

"جب آپ چھوٹی تھیں ماں، تو اپنے گاؤں سنالی سے انھیں دیکھا کرتی ہوں گی۔"

"ہاں کانو۔ وہاں سے بھی ہمیں یہی تارے اور سیارے نظر آتے تھے، بڑی عجیب بات ہے نا؟ ہو سکتا ہے وہاں میری ماں اس وقت ان کو دیکھ رہی ہوں اور ہمیں یاد کر رہی ہوں۔" ماں نے جواب دیا۔

"ماں کیا ساری دنیا میں لوگوں کو یہی تارے نظر آتے ہیں؟"

"نہیں کانو۔ شمال میں بسنے والے آدھی دنیا کے لوگوں کو یہ تارے نظر آتے ہیں اور جو باقی جنوبی دنیا کے لوگ ہیں ان کو دوسرے تارے دکھائی دیتے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں آسمان یہاں کی طرح، ارغوانی نہیں گہرا نیلا نظر آتا ہے اور یہ جو ایک سفید چمکتی ہوئی چوڑی سی پٹی آسمان کے آر پار نظر آ رہی ہے؟ یہ ہے کہکشاں۔ یہ لاکھوں تاروں سے مل کر بنی ہے۔ ہمارے ہاں اِسے آکاش گنگا کہتے ہیں۔"

کانو حیران حیران سا تھا "ماں ہر جگہ، ہر چیز، ایک سی ہوتی ہے نا؟"

"ہاں اور کیا۔" ماں نے کہا۔

"تو پھر آپ سنالی کو ملکی سے زیادہ کیوں پسند کرتی ہیں؟"

"بیٹے میں وہاں پیدا ہوئی ہوں اور پھر میری ماں وہاں رہتی ہے۔"

"تو ماں آپ کو سنالی کی یاد ستاتی ہے یا اپنی اماں کی؟"

"ارے بچے تو بہت بولتا ہے۔" ماں نے جھڑکا مگر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

جیسے جیسے موسم اور سرد ہوتا گیا درختوں کے پتے گرنے لگے۔ پہلے وہ ہرے رنگ سے پیلے رنگ کے ہو جاتے، پھر ہلکا بھورا رنگ ہو جاتا اور اس کے بعد شمال سے چلنے والی ہلکی سی ہوا بھی انھیں شاخوں سے الگ کر دیتی۔ پیڑوں کے نیچے پیلے، بھورے، سنہری نارنجی پتوں کا ڈھیر لگ جاتا کچھ پتے تو کالے تک ہوتے۔

یوبن مالی اپنا بڑا لوہے کا پنجرا لاتا اور سب پتوں کو سمیٹ لے تا، تاکہ باغ صاف ستھرا رہے۔ پھر ایک دن اس نے سب ڈھیریوں کو جمع کر کے ایک بڑا سا ڈھیر گھر سے کچھ دور اکٹھا کیا۔ نانا نے کانو کو پکارا۔ "آؤ لڑکے۔ دیکھو ہم ایک دلچسپ الاؤ جلائیں گے۔"

سورج چھپنے کے بعد یوبن نے سوکھے پتوں کو آگ دکھائی، دم بھر میں مزے دار آگ بھڑکی۔ شعلے گھروں کی چھتوں جتنے اونچے اٹھنے لگے۔ پیڑوں پر سے کوّے پریشان ہو کر کائیں کائیں کرتے اڑ گئے۔

نانا ہنسنے لگے۔ کانو بولا "وہ سمجھ رہے ہیں کہ ابھی سے کل کی صبح ہو گئی۔"

نانا نے کہا "نہیں وہ سمجھے کہ جنگل میں آگ لگ گئی۔"

اماں گھبرا رہی تھیں "چاچا باڑے میں آگ تو نہیں لگ جائے گی؟"

"نہیں نہیں" نانا بولے "یوبن پانی سے بھری بالٹی لیے کھڑا ہے۔ اگر کوئی اکا دکا شعلہ اِدھر جائے گا تو وہ اُسے بجھا دے گا۔"

وہ الاؤ کے چاروں طرف کھڑے تھے۔ ان کے چہرے آگ کی طرف تھے۔ گرمی سے تمتمائے اور سرخ مگر پیٹھ ٹھنڈی تھی۔ گاؤں کے بچوں نے جو آگ کی روشنی دیکھی تو سب کے سب وہاں جمع ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں بڑے بھی آ گئے۔ شیام اور اس کے باپو بھی دھن کٹی سے جو وادی میں تھی، چلے آئے۔

اماں بچوں کے لیے گھر کی بنی نان ختائیاں اور بڑوں کے لیے گرم گرم چائے سے بھرے چھوٹے چھوٹے مگ لے آئیں۔ جب کانو نے یہ دیکھا کہ شیام اپنے باپو کے مگ سے چائے پی رہا ہے تو اس نے بھی نانا کے مگ سے بڑے بڑے گھونٹ بھرنے شروع کر دیے۔ ماں نے منع کیا کہ بچے بڑوں کے پیالے سے نہیں پیتے، پھر بچوں کے لیے بھی ننھے ننھے مگوں میں چائے لے آئیں۔

سب لوگ بہت خوش اور مگن تھے۔ پھر دھیرے دھیرے شعلے بجھنے لگے اور آگ ٹھنڈی پڑ گئی۔ ایک دم بہت سردی ہو گئی۔ سب نے ایک دوسرے سے رخصت لی اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ کانو بھی ماں اور نانا کے ساتھ گھر میں آ گیا، ان کے کپڑوں سے جلی پتیوں کی بو آ رہی تھی، تھک بھی گئے تھے مگر بہت خوش تھے۔ گرم گرم پوریاں اور پیاز میں پکی گوبھی کھاتے وقت وہ مزے مزے کی باتیں کرتے رہے۔ ماں نے کہا "میدانی علاقے میں کبھی اتنی سخت سردی نہیں

ہوتی۔ وہاں تو لوگ سردی کے موسم کا بڑے شوق سے انتظار کرتے ہیں، یہاں سب پھول ٹھنڈ سے مر جاتے ہیں۔ وہاں اس زمانے میں موسم کے بہت سے پھول کھل اٹھتے ہیں۔ ہاں سال کے درختوں کے پتے وہاں بھی جھڑ جاتے ہیں، جیسے یہاں ناشپاتی کے پتے گر جاتے ہیں۔ جاڑے کے آخری زمانے میں وہ پھولوں سے لد جاتے ہیں جب جنوب سے سخت ہوا چلتی ہے تو یہ زیرہ اڑ اڑ کر لوگوں کی ناک میں گھستا ہے اور وہ بری طرح چھینکنے لگتے ہیں، ان پھولوں میں ہلکی بھینی بھینی خوشبو ہوتی ہے ہائے مجھے کتنی یاد آتی ہے وہ خوشبو!"

کانو کو غصہ سا آگیا" ہمارا ناشپاتی کا پیڑ بھی تو ماں، ایسا ہی ہے۔ جب سردی چلی جاتی ہے تو وہ بھی سندر سفید شگوفوں سے ڈھک جاتا ہے۔ ایک بھی پتی نظر نہیں آتی، بس پھول ہی پھول، ہے نا نانا؟"

نانا نے اقرار میں سر ہلایا اور بولے" ہاں پھر پھولوں کی پتیاں گر جاتی ہیں اور ننھی ننھی ناشپاتیاں نظر آنے لگتی ہیں، کڑوی اور پتھر کی طرح سخت پھر کونپلیں نکلتی ہیں اور پتیاں چھتری کی طرح اپنا سایہ پھل پر ڈال کر اس کی حفاظت کرتی ہیں، پھر پھل بڑھتے جاتے ہیں اور اس کے بوجھ سے شاخیں جھکتی چلی جاتی ہیں۔ تم نے تو دیکھا ہوگا لڑکے؟ پھل پکنے میں مہینوں لگ جاتے ہیں چونکہ موسم بہت ٹھنڈا ہوتا ہے۔"

اماں بولیں۔" ہاں اور کیا۔ بالکل اسی طرح سنالی میں ہمارے آم پکتے ہیں۔ جب آموں کا بور گر جاتا ہے تو کونپلیں نکلتی ہیں اور ننھے ننھے آموں کو سورج کی گرمی چور جانوروں سے بچاتی ہیں، لیکن وہاں آب ہوا گرم ہے اس لیے پھل تین ہی مہینے میں پک جاتا ہے ہر جگہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہر جگہ فطرت اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔ ہمارے ہاں سنالی میں ہزاروں جنگلی مرغابیاں اور چپے اڑ کر آتے ہیں اور سارا جاڑا گاؤں کے آس پاس جوہڑ اور تالابوں کے ارد گرد گزار دیتے ہیں اور جیسے ہی سردی ختم ہوتی ہے واپس اڑ جاتے ہیں۔ اب اٹھو کانو اور چل کر سو رہو۔"

٨

دن چھوٹے اور چھوٹے ہوتے گئے اور پھر تو ساڑھے چار بجے شام ہی سے اندھیرا ہونے لگا۔ اگرچہ 'نی کر' کی چوٹی پر اب بھی سورج کی کرنیں ناچتیں نظر آتیں۔ نانا کہتے "ابھی سورج ڈوبا نہیں۔ پہاڑیوں کے پیچھے موجود ہے۔"

موسم اتنا ٹھنڈا تھا کہ نہ تو باہر جا کر مچھلی کا شکار کھیلا جا سکتا تھا، نہ پتنگ ہی اڑا سکتے تھے۔ نانا نے اپنے وہ اوزار نکالے جن سے وہ لکڑی پر نقش و نگار بناتے تھے اور انھوں نے کانو کو یہ کام سکھانا شروع کیا کہ نرم لکڑی پر کیسے کتوں اور اژدھوں کے سر کھود کر چھڑیوں کی موٹھیں بنائی جاتی ہیں۔

امتحان ختم ہو گئے تھے۔ اسکول میں جاڑے کی لمبی چھٹیاں ہو گئی تھیں، کچھ لوگ سردی سے بچنے کے لیے میدانی علاقے میں چلے گئے تھے مگر نانا اور کانو دونوں کو یہاں کا خشک ٹھنڈا موسم بہت پسند تھا۔ خاص طور پر صبح کا وقت جب پہاڑیوں پر اوس کی بوندیں جم کر پالا بن جاتیں۔

"نانا میں نے کبھی پالا گرتے نہیں دیکھا۔ شاید جب میں سوجاتا ہوں تب وہ آسمان سے گرتا ہے۔"

"نہیں بیٹے" نانا نے بتایا" پالا آسمان سے تھوڑا ہی گرتا ہے، یہ تو اوس کی بوندیں ہیں جو ٹھنڈی زمین پر جم کر پالا بن جاتی ہیں۔ ہماری پہاڑیاں اتنی اونچی نہیں کہ ان پر برف باری ہو۔"

جیسے ہی سورج کی کرنیں پالے پر پڑتیں وہ پگھل جاتا۔

بیٹھنے کے کمرے میں آتش دان میں آگ خوب روشن رہتی، وہ سب اس کے گرد بیٹھ کر ہی کھانا کھاتے تھے، وہ بڑی آرام دہ اور خوب گرم جگہ تھی۔ کانو لکڑی کے لٹھے دھڑ دھڑ جلتے دیکھتا اور خیالوں میں کھو کر اسے نظر آتا جیسے شہر اور قصبے جل رہے ہیں، جنگ میں فوجیں لڑ رہی ہیں اور آگ اگلنے والے پہاڑ پھٹ پھٹ کر شعلے برسا رہے ہیں۔ نانا نے بتایا تھا کہ انھیں جوالا مکھی پہاڑ کہتے ہیں۔ ایک تو خود نانا نے دیکھا تھا۔

باپو کا خط آیا کہ انھیں دو مہینے کی چھٹی ملی ہے۔ وہ جاڑا ان کے ساتھ گزاریں گے۔ یہ سن کر سب بہت خوش ہوئے۔ ماں نے ڈاکیہ کو چائے اور مٹھائی دی جو یوبن کا بھتیجہ ڈوران تھا اور ملکی کے سب ہی گھروں سے اس کی دوستی تھی۔ ڈاک بانٹتے بانٹتے اسے رات ہو جاتی نانا اس کا مذاق اڑاتے "اگر اس کا پیٹ بھرا ہوا ہو اور اس میں گرمی ہو تو ٹھنڈی پہاڑیوں پر چڑھنے سے وہ ذرا نہیں تھکتا۔"

ڈورن ہی نے کانو کو بتایا تھا محفوظ جنگل میں ایک شہد مکھی کا پیڑ ہے۔ بہار کے موسم میں اس نے مکھیوں کے ایک جھنڈ کو وہاں سے اڑتے دیکھا تھا۔ اُس نے کانو کو یہ بھی بتایا کہ دو رانی مکھیاں ایک چھتے میں نہیں رہ سکتیں۔ چھتے میں صرف ایک رانی مکھی، کچھ نکھٹو نر،

اور بہت سی مکھیاں کام کرنے والی ہوتی ہیں۔ یہ مزدور مکھیاں پھولوں کا زیرہ جمع کر کے چھتے میں لاتی ہیں۔ موم تیار کرتی ہیں۔ چھتے کو صاف ستھرا رکھتی ہیں اور اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ رانی مکھی سوائے انڈے دینے کے کچھ کام نہیں کرتی۔ بچوں کی دیکھ بھال بھی نہیں۔ یہ سب بھی مزدور مکھیاں کرتی ہیں۔

اگر اتفاق سے چھتے کی آبادی بہت بڑھ جائے تو رانی مکھی کچھ نر مکھیوں اور مزدوروں کو لے کر اڑ جاتی ہیں اور کسی دوسری جگہ چھتہ بنا لیتی ہے۔

اماں بھی یہ سب جانتی تھیں۔ سنالی کے قریب سال کے جنگل میں انھوں نے ایک پیڑ میں شہد کی مکھیوں کا چھتہ دیکھا تھا۔ یہ ایک ایسا درخت تھا جو خشک ہو چکا تھا۔ اس کی پتیاں سب مرجھا چکی تھیں، تنا کھوکھلا تھا، چھال اتر گئی تھی اور جگہ جگہ تنے میں دراڑیں پڑ گئی تھیں جن سے شہد کی مکھی کا چھتہ نظر آ سکتا تھا۔ کبھی کبھی تھوڑا سا شہد چھتہ میں سے گر کر تنے میں سے باہر بہنے لگتا۔ چیونٹیاں شہد کی اس ننھی سی نہر کے پاس جمع ہو جاتیں مگر وہ چھتہ کے قریب جانے کی ہمت نہیں کرتی تھیں۔ جانتی تھیں کہ چوکی دار مکھیاں ان کو فوراً مار ڈالیں گی۔

کانو نے سنا تو بہت جوش میں آگیا۔ وہ بھی مکھی کا پیڑ دیکھے گا "ماں چلو سنالی چلیں۔"

نانا وہیں آگ کے پاس بیٹھے تھے "لڑکے اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے۔ کسی دن میں تمہیں یہیں جنگل میں مکھی کا پیڑ دکھلاؤں گا مگر ہمیں بہار کا موسم کا انتظار کرنا ہوگا، شہد کی مکھیاں جاڑے میں باہر نہیں نکلتیں!"

مگر کانو کے لیے انتظار کرنا کٹھن تھا، وہ چلانے لگا "نہیں نہیں۔ ہم ابھی جائیں گے۔

ابھی مکھی کا پیڑ دیکھیں گے۔ بہار کے موسم میں دوبارہ چلے چلیں گے۔"

اماں اس پر راضی نہ ہوئیں۔ "ارے خالی مکھی پیڑ پر دیکھ کر کیا کروگے جب شہد کی مکھیاں نہ دیکھ سکو۔"

دن ایک کے بعد ایک گزرتے گئے۔ ایک دن چمکیلی دھوپ کھلی ہوئی تھی۔ اماں اور گھر کے دوسرے لوگ دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کر رہے تھے۔ کانو شیر کی کہانی کی تصویریں دیکھ رہا تھا، یہ کتاب باپو نے اسے پارسل سے بھیجی تھی۔

نانا نے اون سے بنا کنٹوپ پہنا جس سے ان کا سر، کان اور گردن ڈھک گئی، اماں اسے نانا کی بندر والی ٹوپی کہتی تھیں۔ پھر انھوں نے اپنا بھاری پیوندوں لگا محکمہ جنگل کی وردی والا لمبا کوٹ پہنا، اور اپنی موٹی گانٹھ دار

لاٹھی اٹھائی۔ کانو چونک کر اٹھ بیٹھا "نانا، نانا آپ کہاں جا رہے ہیں، میں بھی ساتھ چلوں گا۔"

نانا نے جواب دیا "نہیں نہیں۔ میں تو ذرا محفوظ جنگل کے چشموں تک جا رہا ہوں۔ تم تو پہلے ہی انھیں دیکھ چکے ہو۔"

"کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا ہے؟"

"دیکھا کیوں نہیں۔ تم جانتے ہو میں تو وہاں رہا کرتا تھا۔ میری جھونپڑی چشموں کے قریب تھی جہاں میں برسوں رہا ہوں۔ میں وہاں اسی بات کی دیکھ بھال رکھتا تھا کہ کوئی چشمہ کا پانی گندہ نہ کرے۔ اب تو وہاں چشموں کے چاروں طرف دیواریں بنا دی گئی ہیں اس لیے کسی کے رہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ برسوں سے میں نے اپنا گھر نہیں دیکھا۔ اب تو وہ گر کر ٹوٹ پھوٹ گیا ہوگا۔ جاؤ لیٹ جاؤ بیٹے۔ نہیں تو تمہاری ماں خفا ہوگی۔" یہ کہتے ہوئے نانا جلدی سے باہر نکل گیے۔ پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔

کانو نے انھیں جنگل کے سرے پر جا لیا۔

کانو کو دیکھ کر نانا اس قدر خفا ہوئے کہ واپس گھر کی طرف مڑ گئے۔ کانو نے یہ ظاہر کیا جیسے اس نے انھیں دیکھا ہی نہیں اور جنگل کی طرف بڑھتا رہا۔ نانا نے گھر جانا چاہتے ہیں تو جائیں۔ کانو تو آج جا کر مکھی کا پیڑ ضرور دیکھے گا، جو چشمے کے کنارے ہے۔ ہار کر نانا بھی آ کر اسی کے ساتھ چلنے لگے۔ "جانے تمہاری ماں کتنی ناراض ہو گی" وہ غصے میں بڑبڑائے۔

"کیوں ہوں گی خفا؟ دیکھیے نانا میں نے موٹے موزے بھی پہن لیے ہیں اور بھاری جوتے بھی۔"

ایک بار کانو کسی بہت بڑی پک نک پارٹی کے ساتھ وہاں جا چکا تھا۔ اس دن ملکی کے سارے لوگ وہاں جمع ہوئے تھے۔ وہ گاتے بجاتے کھیلتے کودتے ہنسی مذاق کرتے رہے تھے مگر اس بار ہر چیز بدلی ہوئی تھی۔ جنگل اور زیادہ گھنے لگ رہے تھے۔ پیڑ ایک دوسرے

سے گتھے ہوئے تھے۔ باہر دوپہر کا سورج خوب چمک رہا تھا مگر یہاں درختوں کی گھنی شاخوں میں سے ننھی ننھی کرنیں بڑی کوشش کے بعد پہنچتیں اور زمین پر ذرا ذرا سے روشنی کے دھبے نظر آتے۔ ہر چیز عجیب لگ رہی تھی۔ اور اُف! کتنی سردی تھی۔

کانو کوٹ کے اندر کانپ رہا تھا۔ پاؤں کے نیچے زمین نم تھی۔ کچھ بھوری اور ہلکی رنگ کی چیزیں درختوں کی شاخوں سے لٹکی ہوئی تھیں جیسے کسی بوڑھے آدمی کی داڑھی اور جٹائیں ہوں!

نانا نے بتایا "اصل میں یہ بھی پودے ہی ہیں یہ زمین سے اپنی خوراک نہیں لیتے بلکہ پیڑ کی رگوں سے عرق چوستے ہیں، دیکھو خیال رکھنا ان جھاڑیوں کے زیادہ قریب نہ جانا۔ ایسا نہ ہو ان میں سے کوئی اپنا سر اٹھائے"

جب نانا جنگل میں ہوتے تو کبھی لفظ سانپ منہ سے نہیں نکالتے تھے۔

کانو نے کہا "مگر میں تو سمجھتا تھا کہ وہ جاڑے بھر سوتے رہتے ہیں۔"

"لیکن کوئی ان کو چھیڑے تب نہیں۔ چلو آگے بڑھو۔"

کانو جھاڑیوں سے الگ ہٹ گیا۔ ایک دم اس کے کان کھڑے ہوئے۔ پانی بہنے کی آواز آرہی تھی۔ جنگل کی کچھ اپنی خاص آوازیں ہوتی ہیں۔ پرندے اونچی شاخوں پر پھڑپھڑاتے ہیں، سرد ہوا دیودار کے پیڑوں میں سرسراتی ہے، ننھے ننھے جانوروں کے قدموں کی آوازیں اور جھینگروں کے گانے اور چلّانے کا شور لیکن ان میں سب سے زیادہ کانو کو جو آواز پسند تھی، وہ

پانی کے گرنے کی تھی، دیکھنے سے بہت پہلے ہی آدمی اسے سننے لگتا تھا۔ "ارے نانا یہ تو چشمہ معلوم ہوتا ہے۔"

"بیٹے چشمے تو ابھی اور اوپر ہیں، یہ تو نالا ہے جو چشمے کے اس فاضل پانی سے بنا ہے جو پائپ سے بچ کر گرتا رہتا ہے یہ بھی ان چشموں ہی کا پانی ہے جو ان پہاڑیوں سے نکلتے ہیں اور بڑا پانی تک جاتے ہیں سنو تو! وہ کیسا شور مچاتا، ہنستا گاتا نیچے کی طرف دوڑ رہا ہے۔ ننھے ننھے پتھر پانی کی رگڑ سے چکنے اور گول ہو جاتے ہیں۔ ان کو چکنے پتھر کہتے ہیں۔"

اندر جنگل میں بہت اندھیرا اور بڑی خاموشی تھی۔ کانو نانا سے بھڑ گیا۔ "آؤ میرا ہاتھ پکڑ لو۔ اب ہم ان پہاڑیوں پر مختصر راستے سے چڑھیں گے۔"

وہ سیدھی چٹانوں پر چڑھنے لگے۔ پیروں کو رکھنے کے لیے محفوظ جگہ تلاش کرتے، ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رینگتے، کبھی جڑوں اور شاخوں کو پکڑتے، کبھی سخت موٹی گھاس کو تھامتے، آخر وہ

دنیا کی عجیب اور خوبصورت جگہ پہنچ گئے۔ وہاں درختوں کا ہجوم نہیں تھا۔ بس کھردری ننگی پہاڑیاں تھیں۔ پہاڑ کی کھردری چٹانوں میں چند سوراخ تھے جن سے پانی ابل رہا تھا، کانو کبھی اتنی اونچائی تک نہیں چڑھا تھا۔ جب پک نک پر آئے تھے تب بھی نہیں۔ وہ بڑا حیران تھا۔ کیا یہی وہ پانی کا چشمہ ہے جو سارے شہر کو پانی پہنچاتا ہے؟!

"ارے نانا دیکھیے۔ وہ سارا پانی گر کر برباد ہو رہا ہے، اب لوگ کیا پئیں گے۔"

نانا بولے "لڑکے عقل کی باتیں کرو۔ یہ برباد تھوڑا ہی ہو رہا ہے۔ یہ تو بڑا پانی سے ملنے کے لیے دوڑ رہا ہے۔ کچھ پانی پیاسی زمین چوس لے گی۔ گائیں، بکریاں اور بھیڑیں وغیرہ اوپر چراگاہ کو جاتے ہوئے یہاں سے گزریں گی تو وہ اس پانی سے اپنی پیاس بجھا لیں گی۔ اسے تم بربادی کہتے ہو؟ اور شہر والوں کے پینے کا پانی تو اور اوپر کے چشموں سے آتا ہے۔"

کانو نے اوپر نظر اٹھائی تو ڈھلوان پر کچھ اور چشمے نظر آئے، جن پر نیچی نیچی چھتیں پڑی تھیں اور جن کے اردگرد دیواریں کھینچ دی گئی تھیں۔ وہ انھیں دیکھنے کے لیے اور اوپر چڑھے، انھوں نے دیکھا دیواریں چھت سے نیچی ہیں۔ کوئی آدھا میٹر جگہ خالی ہوگی، جس میں لوہے کے تاروں کی جالی لگی ہوئی تھی، اس سے جھونپڑیوں میں ہوا جاتی تھی۔ کانو نے لوہے کی جالی میں سے جھانکا۔ کئی سوراخوں میں سے پانی ابل رہا تھا۔ جیسے چھوٹی چھوٹی ندیاں بہہ نکلی تھیں اور جو آپس میں مل کر بڑا سا نالہ بن جاتیں، بڑے بڑے کالے پائپ یہاں سے پانی شہر لے جاتے۔ جو پانی پائپوں سے بچ رہتا، یہاں سے باہر نکلتا اور دوسری جھونپڑیوں کے فاضل پانی سے مل کر ندی بن جاتا اور بڑا پانی کی طرف دوڑنے لگتا جو یہاں سے ساٹھ کلومیٹر دور تھا۔

باہر آگئی ۔ یہ لال رنگ کی تھی مگر اب رنگ پھیکا پڑ گیا تھا ۔ نانا نے گیند اٹھا کر کانو کو دیدی ۔ لو یہ لو ۔ میرا ایک چھوٹا بچہ تھا یہ میں نے اس کے لیے بنائی تھی مگر وہ بچارا مر گیا ۔ اب گھر چلو بہت دیر ہو گئی ۔"

گھر پہنچے تو سورج ڈوب رہا تھا ۔ اماں کا چہرہ زرد ہو گیا تھا ۔ وہ ان کی تلاش میں ، لی کر ، سڑک پر ادھر سے اُدھر دوڑ رہی تھی ۔ اُسے ڈر تھا کہ ان لوگوں کو کوئی حادثہ نہ پیش آیا ہو ۔ ان کو دیکھ کر وہ غصے کے مارے آپے سے باہر ہو گئی ۔ ماں نے نانا کو برا بھلا کہا ۔ کانو کے گالوں پر زور زور سے تھپڑ لگائے اور خود ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور پھر کانو کو گھسیٹتی اپنے کمرے میں چلی گئی ۔

رات کو کھانے کے وقت اماں نے نانا سے کہا " اچھا ہو گا کہ تم کھانا اپنے کمرے میں کھایا کرو ۔ کانو تمہارے ساتھ رہ کر بگڑ رہا ہے ۔"

پھر کانو کی طرف پلٹی اور چلائی ۔ " اگر پھر نانا کے ساتھ باہر گیا تو اچھی طرح مرمت کروں گی تیری ۔ اور خبردار جو اس پرانی دھرانی گیند کو چھوا ۔" ماں نے کانو کے ہاتھ سے گیند چھین لی اور کھڑکی کھول کر باہر پھینک دی ۔

نانا چپ چاپ سب سنتے رہے پھر وہ پیر گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے ۔ کھانا بغیر کھائے انھوں نے واپس کر دیا ۔

اگلے دن صبح اٹھتے ہی کانو نانا کے کمرے کی طرف دوڑا مگر نانا وہاں کہاں تھے ؟ نانا کی بھاری لاٹھی ، کمبل ، ان کا پرانا اوور کوٹ اور چمڑے کا تھیلا بھی نہیں تھا ۔ دھیرے دھیرے کانو وہاں سے باہر آیا اور اپنی شیر والی کتاب اٹھائی اور جانے کب تک ایک ہی صفحے پر نظر جمائے بیٹھا رہا ۔

کانو نے نانا سے پوچھا " یہ سب پائپ کہاں جاتے ہیں ؟"

" ملکی کے قریب جو بڑا سا اونچا تالاب بنا ہے وہاں جاتے ہیں ۔ وہاں سے دوسرے نل اس پانی کو شہر کے سبھی حصوں میں پہنچا دیتے ہیں ۔ نل کا پانی قیدی پانی ہوتا ہے جو بڑا پانی تک بھی نہیں پہنچتا ہے ۔ چلو اب چلیں ۔ اس جگہ آ کر میں اداس ہو جاتا ہوں ۔"

" کیوں نانا ؟"

" اس لیے کہ برسوں تک میں یہاں رہا ہوں ۔ وہ جگہ دیکھو گے جہاں میرا گھر تھا ؟" زمین کے ایک ہموار ٹکڑے کے بیچ میں بہت سے چپٹے پتھروں کا ڈھیر پڑا تھا ۔ " دیکھو یہی پتھر ہیں جن سے میرا گھر بنا تھا ۔" نانا نے کچھ پتھر اِدھر اُدھر سرکائے ۔ ایک چھوٹی سی لکڑی کی گیند لڑھک کر

تھوڑی دیر بعد باورچی خانہ میں کام کرنے والی ماما کنتھائی دودھ بسکٹ لے کر نانا کے کمرے کی طرف گئی۔ کانو نے سر اٹھایا اور بولا "نانا دودھ بسکٹ نہیں کھائیں گے۔ وہ چلے گئے۔"

اماں نے یہ سنا تو ڈرائنگ روم سے دوڑتی ہوئی باہر نکلیں "کیا کہہ رہے ہو؟ نانا چلے گئے! اسی برس کا بوڑھا آدمی بھلا کہاں جا سکتا ہے؟"

کانو کا دل بھر آیا "شاید وہ بڑا پانی چلے گئے ہوں، شاید وہاں ان کی کشتی آگئی ہو۔ وہ اپنی بیوی کو تلاش کرنے گئے ہوں گے۔ ماں آپ نے وہ گیند چھین کر پھینک دی جو انھوں نے اپنے بیٹے کے لئے بنائی تھی اور جو مر چکا ہے۔" کانو رو پڑا۔

اماں کا چہرہ پیلا پڑ گیا وہ دھیرے دھیرے خانہ باغ میں گئی اور گیند اٹھا لائی اور اسے اپنی ساڑھی کے آنچل سے پونچھ کر صاف کیا۔ "ارے کل جب تمہارے باپو آئیں گے اور نانا کو پوچھیں گے تو میں کیا کہوں گی؟"

کانو نے کہا "باپو نانا کے لیے ایک گرم صدری

لا رہے ہیں۔ اور کینوس کے جوتے بھی جن کے تلے میں ربڑ لگا ہے۔ چمڑے کے جوتے ان کے پیروں کی گانٹھوں میں چبھتے ہیں۔" اور کانو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اماں بے چینی سے کمرے میں گھوم رہی تھیں۔ کبھی پردے کھینچتیں کبھی کتابیں ٹھیک کرتیں۔ پھر وہ بیٹھ گئیں۔ "کانو کیا تمھیں یقین ہے کہ وہ بڑا پانی گئے ہیں؟ کیا بس سے گئے ہیں؟" کانو مسکرایا۔ "وہ بس سے کیسے جاتے؟ وہ تو دھن کٹی ندی کے کنارے کنارے گئے ہوں گے وہاں تک جہاں وہ بڑا پانی سے مل جاتی ہے کیا پتہ کس جگہ کشتی ان کا انتظار کر رہی ہو؟"

اماں کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ "اچھا تو چلو اسی رستے پر چلیں۔ انھیں تو واپس لانا ہی ہوگا۔ یہ سب قصور میرا ہے۔ ان جیسا کوئی بھی دنیا میں نہیں۔"

جلدی سے وہ دونوں تیار ہو گئے۔ اماں نے تھوڑا سا کھانا تھیلے میں رکھا۔ ایک چھڑی خود لی۔ ایک چھوٹی سی چھڑی کانو کو دی۔ خوب گرم کپڑے اور بھاری جوتے پہنے۔ کانو نے لکڑی کی گیند جیب میں رکھ لی۔ یہ اسے نانا نے دی ہے۔ بھلا اسے کیسے چھوڑ دے۔

وہ چھوٹا سا نالہ جس میں چشمے کا فاضل پانی بہتا تھا، ملکی تک پہنچتے پہنچتے، دوسرے بہت نالوں سے مل کر، ایک خاص بڑی ندی بن گیا تھا۔ ملکی ندی پہاڑیوں پر سے ناچتی چمکتی دمکتی نظر آتی اور وادی تک پہنچتے پہنچتے اپنا دامن پھیلا دیتی ہے، پھر ایک خوبصورت آبشار کی صورت میں دھن کٹی ندی میں گرتی ہے۔ پھر وہ دونوں اکھٹی شور مچاتی، جھاگ اڑاتی، نیچے وادی کی طرف دوڑتی ہیں۔

یہ بڑی خوبصورت جگہ تھی، دریا کے کنارے جھاڑ جھنکاڑ اگا ہوا تھا، ایک رستہ ندی

کے کنارے کنارے گیا تھا۔ اسی رستے پر ان دونوں کو جانا تھا۔

کانو نے ایک سایہ دار جگہ کی طرف اشارہ کر کے بتایا "کچھ لوگ یہاں مچھلی کا شکار کھیلتے ہیں گرمی میں جب پانی بہت چڑھ جاتا ہے تو مسٹر ہولڈر کے تالاب سے ٹراؤٹ مچھلی نکل کر پانی کے ساتھ بہتی ہوئی دھن کٹی ندی میں چلی آتی ہے اور یہاں لوگ اُسے پکڑ لیتے ہیں۔"

اماں کو بہت تعجب ہوا۔ "تمھیں یہ سب کیسے معلوم کانو؟"

"نانا کبھی کبھی مجھے یہاں لاتے ہیں۔"

دیودار کے درختوں میں ہوا سرسرا رہی تھی، اماں کا سانس پھول گیا تھا۔ "کانو! آؤ ذرا یہاں سستا لیں، اب میں تھوڑا آرام کیے بغیر آگے نہیں چل سکتی۔"

وہ ایک چپٹے گرم پتھر پر بیٹھ کر اپنے گھٹنے دبانے لگیں۔ جب کوئی پہاڑ پر چڑھتا ہے تو سارے بدن کا بوجھ گھٹنوں پر پڑتا ہے اور ان میں درد ہونے لگتا ہے۔ کم سے کم بڑے لوگوں کے گھٹنوں میں تو ہونے ہی لگتا ہے جیسے اماں کے گھٹنے یا نانا کے مگر کانو کے گھٹنوں میں نہیں ہوتا۔

ماں آرام کر رہی تھی۔ کانو نے چاروں طرف دیکھا۔ چٹانوں کے بیچ میں ایک سوراخ تھا۔ کچھ پانی اس کے آس پاس جمع ہو گیا تھا۔ یہاں ہلکے شربتی رنگ کے مشروم اگے ہوئے تھے نانا نے بتایا تھا کہ اگر ان کو پیاز کے ساتھ تلا جائے تو بڑے مزے دار ہوتے ہیں۔ مگر اماں انھیں چھونے بھی نہیں دیتی تھیں کہ اس سے انگلیاں سوج جاتی ہیں اور اکثر لوگ مشروم کھا کر مر بھی جاتے ہیں مگر نانا کہتے ہیں کہ صرف زہریلے مشروم کھانے سے آدمی مرتا ہے۔ آدمی کو ان دونوں کا فرق جاننا جاننا چاہیے کہ کون سے زہریلے ہیں اور کون سے نہیں۔ یہ پر جیسے نرم مشروم میٹھے اور بے ضرر ہوتے ہیں۔

کالو نے سوراخ میں جھانکا۔ روشنی کی دو کرنیں اندر نظر آئیں یہ پانی کے چوہے کی آنکھیں تھیں جو یہاں رہتا ہے۔ پچھلی بار جب نانا اور کالو نے جھانکا تھا تو اس کے چار بچے تھے اور وہ دانت نکال کر ان پر دوڑا تھا، بچے تو اب بڑے ہو کر چلے گئے ہوں گے۔ اب وہ بچارا اکیلا کونے میں دبکا آنکھیں مچکا رہا تھا۔ کالو کی جیب میں کچھ اخروٹ تھے۔ وہ اس نے سوراخ کے منہ پر رکھ دیے۔ نانا نے بتایا تھا کہ ننھے ننھے جانوروں کی طرف کھانے کی چیزیں پھینکنی نہیں چاہئیں۔ اس سے وہ ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔

یہاں ایک عجیب طرح کی گھاس اگی تھی۔ لمبی لمبی پتیاں جن پر زردی مائل اودی دھاریاں

تھیں۔ اور جب انھیں مسلو تو بھینی بھینی خوشبو آتی تھی۔ اماں کو یہ مہک بہت اچھی لگی انھوں نے پہلے یہ گھاس نہیں دیکھی تھی۔ یہاں جنگلی سوسن بھی کھلی تھی جس کی چوڑی چوڑی پتیاں تھیں۔ ان پتیوں کے نیچے ایک جھاگ سا لگا ہوا تھا، اماں نے کہا "ارے یہ تو کسی کا تھوک ہے۔ پھینکو اسے۔"

کالو ہنس پڑا "ماں آپ تو کچھ بھی نہیں جانتیں، یہ تھوک نہیں جھاگ ہے، اس جھاگ کے اندر ایک ننھا سا کیڑا چھپا ہوا ہے۔ اس نے اپنے ہی بدن سے یہ جھاگ نکالا ہے تاکہ چھپکلیاں اور چڑیاں اسے نہ دیکھ سکیں۔"

اماں نے ایک لمبی سانس لی "نانا ہی نے یہ سب تمہیں سکھایا ہے جیسے پہلے تمہارے باپ کو سکھایا تھا وہ بھی یہ سب جگہیں جانتے ہیں، چلو اب چلیں نہیں تو ہم کبھی نانا تک نہیں پہنچ سکیں گے اور تمہارے باپ کل یہاں آ رہے ہیں۔"

کانو نے سنا تو بہت خوش ہوا اور جلدی جلدی قدم بڑھانے لگا۔ جلدی کیجیے ماں جلدی ! نانا بہت ہوشیار ہیں، جانے اب تک کہاں پہنچ گئے ہوں گے۔"

دونوں بہت پیاسے تھے، ندی کے سرسبز کنارے سے جھک کر انھوں نے اوک سے پہاڑ کا ٹھنڈا میٹھا پانی پیا، پھر اپنے رستے پر چلنے لگے، اب ساری اترائی ہی اترائی تھی کہیں رستہ صاف تھا اور کہیں اونچا نیچا، کانو آگے بڑھ جاتا۔ پھر اپنی اماں کا انتظار کرنے لگتا اور بھاری چٹانوں پر چڑھنے میں ان کو مدد دیتا۔

۱۰

سورج اب سر پر آ گیا تھا۔ سویرے سے اب تک چلتے چلتے وہ تھک کر چور ہو چکے تھے۔ گرمی بھی لگ رہی تھی مگر نانا کے بغیر واپس جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ پھر واپسی میں تو سارے رستے چڑھائی ہی چڑھائی تھی، اب اتنی طاقت نہ رہی تھی کہ پھر چڑھا جائے۔

اماں بچاری ہانپ رہی تھیں۔ "کیا پتہ انھوں نے کون سا رستہ لیا ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اس طرف بالکل نہ آئے ہی نہ ہوں۔"

"نہیں ماں نہیں۔ وہ ضرور ندی کے کنارے گیے ہوں گے۔ ہماری دھن کٹی ندی کچھ دور پیچھے لمپارنگ سے مل گئی تھی، یہ سب جاکر 'بڑا پانی' سے مل جاتی ہیں۔ آپ ان میں سے کسی کے ساتھ ساتھ چلیں بڑا پانی پہنچ جائیں گی، وہیں تو نانا کی کشتی ان کا انتظار کر رہی ہے۔"

اماں نے یہ سنا تو جلدی جلدی قدم بڑھا کر کانو کے برابر آ گئیں اور قریب قریب دوڑنے لگیں ان کے بال بکھر گئے تھے، چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ساری سہ پہر، اور شام گئے تک وہ چلتے رہے تھوڑی دیر میں وہ مگو می پہنچ گئے جہاں ندی، وسیع خوبصورت آبشار کی صورت میں سوا سو گز نیچے گرتی تھی۔ اماں ایک دم رک گئیں "کانو اب ؟"

کانو ہنسا۔ اس نے پتلی، بل کھاتی، ٹیڑھی میڑھی پگ ڈنڈی کی طرف اشارہ کیا جو شور مچاتی ندی کے ساتھ ساتھ نیچے جا رہی تھی "یہ رہا ہمارا راستہ۔ یہ نیچے تک جاتا ہے۔ مگر ماں آپ کے گھٹنے درد کر رہے ہیں۔ آپ چل سکیں گی ؟"

اماں بولیں "ارے نہیں۔ میرے گھٹنے اب ٹھیک ہیں" اور وہ کانو سے آگے دوڑنے لگیں۔ آبشار کے شور نے ان کے کان بہرے کر دیے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی بات تک نہ سن سکتے تھے۔ اڑتے

ہوئے پانی کے جھین کی بوندیں ان کی پیشانی اور بالوں پر چمک رہی تھیں۔ زمین پیروں کے نیچے کانپ رہی تھی۔

وہ خاموشی سے نیچے اترتے رہے ذرا سا غلط قدم پڑنا خطرناک تھا، کبھی کبھی اماں رک جاتیں اور حیرت سے چاروں طرف دیکھتیں باہر کو نکلی ہوئی چٹانیں، پہاڑیاں، اونچے اونچے پیڑ اور اوپر گہرا نیلا صاف آسمان، جیسے آنکھوں کو یقین نہ آرہا ہو کہ یہ سب اصلی ہے۔ آخر وہ آبشار گرنے کی جگہ پہنچ گئے۔

شور مچاتا پانی نیچے آکر ایک حوض کی سی صورت میں جمع ہو گیا تھا اور چکر کھاتا ہوا بھنور بنا رہا تھا، پانی کی اڑتی بوچھاڑ بادل سی بن گئی تھی۔ سورج کی ایک کرن اسی پر پڑی تو دھنک سی بن گئی۔ اماں اس نظارے کو چپ چاپ دیکھ رہی تھیں، کانو بھی پاس ہی خاموش کھڑا تھا۔

اچانک، تالاب کے کنارے کے گھنے جنگل سے کوئی آدمی، کسی چیز کو سنبھال کر گود میں لیے

آتا نظر آیا۔

”نانا۔ نانا۔ نانا“ کانو چلاتا ہوا دوڑا۔

اماں بھی پیچھے دوڑیں اور نانا کے پیروں پر گر پڑیں۔ ”چاچا مجھے معاف کر دیجیے۔“ وہ روتے ہوئے بولیں۔

نانا بگڑ گئے اور چلائے ”لڑکی اٹھو! یہ رونے دھونے کا وقت ہے بھلا؟ دیکھتی نہیں ہو جنگلی مرغی کا بازو زخمی ہو گیا ہے۔ شکاری پھر نکل آئے۔ کمبخت کہیں کے۔ جلدی لکڑی کی کھپچیاں لاؤ تاکہ اس کا بازو باندھا جا سکے۔ جاؤ۔ جلدی کرو۔“

نانا ایک چٹان پر بیٹھ گیے۔ سندر چڑیا ان کے زانو پر پڑی تھی اور وہ میلے رومال سے اپنی پیشانی پونچھ رہے تھے، اماں کے تھیلے میں تاگا، قلم تراش چاقو اور کچھ کپڑا تھا۔ کانو نے کھپچیاں اکٹھی کیں تاکہ انھیں مرغی کے زخم پر باندھا جا سکے، وہ پیاری سی مرغی، بالکل بے جان سی، آنکھیں بند کیے نانا کی گود میں پڑی تھی۔

کانو چیخا "کیا یہ مر گیئ نانا؟"

نانا نے اسے ڈانٹا۔ "لڑکے چپ رہو۔ مرد روتے نہیں۔ لو مضبوطی سے اِسے پکڑلو اتنے میں اس کا زخم باندھ دوں!"

یہ جنگلی مرغی بہت خوبصورت تھی۔ سنہری، نارنجی، اور سرخی مائل اودا رنگ تھا۔ اس کے کنٹھ میں نیلے اور سبز رنگ جھلک رہے تھے اور پاؤں شوخ زرد رنگ کے تھے۔

دھیرے دھیرے وہ کالی آنکھیں کھلیں۔ کانو خوشی سے ناچنے لگا۔ نانا نے پرندے کو اپنے کمبل میں لپیٹا اور اماں کی گود میں دیدیا۔ "لڑکی تم اِسے لو۔ میں جا کر اپنی چیزیں لے آؤں!"

کانو ان کے ساتھ جنگل کے کنارے تک گیا جہاں ایک درخت سے ان کا اوور کوٹ، ٹوپی اور بیگ لٹک رہا تھا۔ وہ پھر وہاں واپس آ گیے جہاں اماں انتظار کر رہی تھیں۔

"اب گھر چلو" نانا نے کہا۔

اماں سخت پریشان نظر آ رہی تھیں۔ "گھر چاچا؟ کیسے چلیں گھر؟ گھر تو بہت دور ہے۔ میں تو اب ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔"

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔ گھر کبھی دور نہیں ہوتا۔ اس موڑ کے فوراً بعد بس کی سڑک ہے۔ بس ہمیں ملکی پہاڑی کے دامن تک پہنچا دے گی۔ یہ سڑک ملکی سے بڑا پانی جاتی ہے نا۔

اسی سے تو میں آیا تھا۔" پھر انھوں نے گھور کر ان دونوں کو دیکھا۔ "تم لوگ اس سارے رستے پیدل تو نہیں آئے ہو؟" اماں کو خاموش پا کر نانا نے کانو سے کہا "کیوں صاحبزادے! اسی طرح تم میری غریب لڑکی کی دیکھ بھال کرتے ہو؟"

کانو نے اپنا سر جھکا لیا۔

بس میں بیٹھنے کے بعد، کانو نے نانا سے چمٹتے ہوئے کانا پھوسی کی۔ "نانا ہم ندی کے ساتھ ساتھ چل کر آئے تھے۔ پتہ نہیں تھا کہ آپ کی کشتی کس جگہ انتظار کر رہی ہو گی۔"

نانا بہت حیران ہوئے۔ "کشتی؟ کیسی کشتی؟ ارے توبہ۔ یہ وقت کشتی کی باتیں کرنے کا نہیں بیٹے۔ ہنہ کشتی! بھلا اس پرندے کی دیکھ بھال پھر کون کرے گا؟ جیسے ہی یہ ہوشیار ہو کر جاگے گا ہر کسی کے ٹھونگیں مارے گا۔ اور پھر کل تو تمہارے باپو آ رہے ہیں، ان کے ساتھ مچھلی کے شکار کو کون جائے گا؟ کشتی کا ذکر نہ کرو۔"

رات کو زخمی پرندے کے ساتھ گھر پہنچ گئے اسے آتش دان کے پاس ایک ٹوکری میں لٹا دیا

گیا۔ کنتھائی نے ان کے لیے گرم گرم کھانا تیار کر رکھا تھا۔ یوبن سڑک پر پریشانی میں ٹہل رہا تھا۔ روشن کھڑکیاں ان کا سواگت کر رہی تھیں۔

اگلے دن صبح باپو بھی پہنچ گئے، وہ ایک بڑی سی ٹوکری میں بہت سی خوبصورت، عجیب عجیب چیزیں بھر کر لائے تھے لیکن سب سے بڑا عجوبہ تو نانی ماں تھیں جو سنالی سے باپو کے ساتھ آئی تھیں وہ بڑی ہی ہنس مکھ تھیں، چمک دار تارے کی طرح ہر وقت ہنستی رہتی تھیں۔ جب کانو نے نانی ماں کو بتایا کہ ماں کو ملکی اتنا پسند نہیں جتنا سنالی تو انھوں نے پوچھا "کیوں؟"

"ماں مجھے گھر بہت یاد آتا ہے۔" اماں نے کہا۔

"گھر یاد آتا ہے؟" نانی ماں نے کہا۔ "کون سا گھر؟ ارے جہاں تم رہو وہی گھر ہوتا ہے! بیٹی۔ تمہارے ہمسائے تمہارے دوست ہیں۔ یہی ہے اب تمہارا گھر۔ اور اب تو یہ میرا گھر بھی ہو جائے گا تمہارے چھوٹے ماما رٹائر ہو کر سنالی میں رہنے کے لیے آ گئے ہیں، وہاں وہ گھر کی دیکھ بھال کر لیں گے اور اگر تم چاہو تو میں یہاں تمہارے ساتھ کچھ عرصے رہ سکتی ہوں۔ یہ جگہ مجھے بہت پسند ہے۔"

گیا۔ کنتھائی نے ان کے لیے گرم گرم کھانا تیار کر رکھا تھا۔ یوبن سڑک پر پریشانی میں ٹہل رہا تھا۔ روشن کھڑکیاں ان کا سواگت کر رہی تھیں۔

اگلے دن صبح باپو بھی پہنچ گئے، وہ ایک بڑی سی ٹوکری میں بہت سی خوبصورت، عجیب عجیب چیزیں بھر کر لائے تھے لیکن سب سے بڑا عجوبہ تو نانی ماں تھیں جو سنالی سے باپو کے ساتھ آئی تھیں وہ بڑی ہی ہنس مکھ تھیں، چمک دار تارے کی طرح ہر وقت ہنستی رہتی تھیں۔ جب کانو نے نانی ماں کو بتایا کہ ماں کو ملکی اتنا پسند نہیں جتنا سنالی تو انھوں نے پوچھا "کیوں؟"

"ہاں مجھے گھر بہت یاد آتا ہے۔" اماں نے کہا۔

"گھر یاد آتا ہے؟" نانی ماں نے کہا۔ "کون سا گھر؟ ارے جہاں تم رہو وہی گھر ہوتا ہے! بیٹی۔ تمہارے ہمسائے تمہارے دوست ہیں۔ یہی ہے اب تمہارا گھر۔ اور اب تو یہ میرا گھر بھی ہو جائے گا تمہارے چھوٹے ماما رٹائر ہو کر سنالی میں رہنے کے لیے آ گئے ہیں، وہاں وہ گھر کی دیکھ بھال کر لیں گے اور اگر تم چاہو تو میں یہاں تمہارے ساتھ کچھ عرصے رہ سکتی ہوں۔ یہ جگہ مجھے بہت پسند ہے۔"